

مختصر مرثیے کی روایت

اور

سیّد وحید الحسن ہاشمی

◎

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

❖

❖

اذانِ مرثیہ جس دم سنائی دیتی ہے رگِ یزید سسکتی دکھائی دیتی ہے

مدد جو فن کو سپاہِ رثائی دیتی ہے ہر ایک صنف کی دنیا دہائی دیتی ہے

حروفِ غیر نسب کی روش مٹاتا ہے

یہ مرثیہ ہے جو کھوٹا کھرا بتاتا ہے

(سیّد وحید الحسن ہاشمی)

❖

مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی

(تحقیق و تنقید)

○

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

○

الحسن پبلی کیشنز

۲۵۳۔ایف، رحمان پورہ لاہور، پاکستان

۲۰۰۵ء

مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

ناشر

ڈاکٹر سیّد محمد باقر زیدی

طابع

سیّد محمد اظہر رضوی

مطبع

اظہر سنز پرنٹرز' ۱۰۸۔لٹن روڈ لاہور

کمپوزنگ

تصور کمپوزنگ سنٹر' ۱۰۸۔لٹن روڈ لاہور

قیمت ۲۵۰ روپے

ملنے کا پتہ از مطبوعات

الحسن پبلی کیشنز ○ ۲۵۳۔ایف' رحمان پورہ' لاہور۔فون: ۷۵۸۰۶۴۳

انتساب

سیّدہ اخلاص فاطمہ ؒ مرحومہ مغفورہ

کے نام

جنہیں سب "بہتی" کے نام سے یاد کرتے ہیں

❖

❖

جناب سیّد سرور حسین بلگرامی کی والدۂ ماجدہ

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی دیگر کتب

- مفاہیم (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- ترجیحات (انعام یافتہ) (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- باقیاتِ آلِ رضا (سیّد آلِ رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)
- آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی (تحقیق و تنقید)
- جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی (شخصیت و فن)
- شام و سحر کی باتیں (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور کے اداریے)
- آغا صاحب (ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت و فن)
- کلیاتِ حبیب (حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)
- العطش (جلد اول، دوم، سوم) (سیّد وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کی تدوین)
- منتخب مرثیے (قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تدوین)

(زیرِ طبع)

- لکھنؤ کی اُردو شاعری (بیسویں صدی میں)
- تصریحات (تحقیقی و تنقیدی مقالات)

مندرجات

❖

❖❖❖

ایک بات

عصرِ حاضر میں سید وحید الحسن ہاشمی کا شمار ان کاملینِ فن میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ ان کا ادبی دائرہ عمل انتہائی وسیع ہے تاہم برصغیر پاک و ہند میں سر دست عزائی ادب میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے۔ انہوں نے نوحہ' سلام' منقبت اور مرثیے جیسی اصناف سخن کو نہ صرف اپنے زرخیز افکار عالیات سے مالا مال کیا بلکہ اپنے تنقیدی مقالات کے ذریعہ ان اصناف کی ادبی حیثیت کو اہلِ دانش و بینش سے تسلیم بھی کروایا۔ اس کتاب میں سید وحید الحسن ہاشمی کی صرف ایک جہت یعنی مرثیہ نگاری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ انشا اللہ جلد ہی دیگر اصناف کے حوالے سے بھی ''وحید شناسی'' کا حق ادا کرنے کی سعی کی جائے گی۔

بیسویں صدی کی سیاسی' سماجی' اقتصادی اور تمدنی صورت حال نے ہر صنفِ ادب کو متاثر کیا اور اُردو مرثیے نے بھی جدید رجحانات و نظریات کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی۔ آپ اُردو مرثیے کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیجیے تو آپ دیکھیں گے کہ اس صنف نے ہیئت اور موضوع ہر دو اعتبار سے کشادہ قلبی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد اُردو مرثیہ کو جدید تناظر میں دیکھنے اور اسے حیات تازہ عطا کرنے والوں میں سید وحید الحسن ہاشمی کا نام سرِ فہرست ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء کے بعد ''مختصر مرثیہ'' کی ضرورت کا احساس دلایا اور ''جدید مختصر مرثیے'' کی ایک تحریک چلائی۔ اس تحریک کو نہ صرف مرثیہ نگار شعرا کی جانب سے پذیرائی حاصل ہوئی بلکہ اس تحریک سے متاثر ہو کر شعرا نے مختصر مرثیے لکھنا شروع کیے اور یہ سلسلہ آج بھی اسی آب و تاب سے جاری ہے۔ جدید مختصر مرثیے کی اس روایت کو روشناس کرانا اور اس سلسلے میں سید

وحید الحسن ہاشمی کی خدمات کا احاطہ کرنا اس کتاب کی تحقیق کا جواز ہے۔

اس کتاب کے خواب کو عملی شکل عطا کرنے والوں میں جناب ڈاکٹر عباس رضا' جناب تصور حسین' جناب ڈاکٹر عبدالکریم خالد' جناب پروفیسر فرقان قریشی' جناب ڈاکٹر نواز حسن زیدی' جناب پروفیسر آصف وٹو' جناب انجم فاروق' جناب سید محمد علی انجم رضوی' جناب شیخ عمران حیدر' جناب سید عمران رضوی' جناب جاوید اقبال (جاوید پبلشرز)' جناب ممتاز بھٹہ اور خصوصاً جناب سید سرور حسین بلگرامی شامل ہیں۔ یہ تمام احباب میرے دوست اور محسن ہی نہیں بلکہ میں ان کی غذائے محبت کے باعث تازہ دم رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

کسی بھی تحقیقی و تنقیدی کتاب کی ترتیب و تسوید کیلئے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ گھر میں موجود تمام افراد کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں اپنی والدہ ماجدہ کا شکر گزار ہوں کہ اُن کی دعاؤں نے مجھے ہمیشہ عزم و حوصلہ عطا کیا۔ میری زوجہ سیماب رضوی اور بچوں (ایما' اثنا' وجیہ) نے ہمیشہ میری تحقیقی سرگرمیوں کی حمایت کی ہے۔ میں اس سلسلے میں اُن کا ممنونِ احسان ہوں۔ عرفی ہاشمی' یاسر آیات اور منتو نے اپنی حوصلہ مند باتوں سے میرے اندر نیا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ میں اپنے گھر کے تمام احباب کا شکر گزار ہوں۔

میں اس کتاب کو ایک ایسی دیندار' پارسا اور متقی خاتون کی منور روح کی نذر کر رہا ہوں جنہیں سب سیدہ اخلاص فاطمہ مرحومہ مغفورہ کے نام سے جانتے ہیں لیکن ہم سب انہیں پیار سے ''بہنی نانی'' کہتے تھے۔ انہوں نے عمر بھر ہمیں حق اور سچ کی تعلیم دی اور ہمارے دلوں میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت کی شمع روشن کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو نورانی کرے اور اُن کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

(ڈاکٹر) سید شبیہ الحسن

یکم جنوری ۲۰۰۵ء

۲۵۳۔ ایف' رحمان پورہ' لاہور

باب اوّل

سیّد وحید الحسن ہاشمی کے سوانحی حالات اور تصانیف

شعر و ادب میں ایسے واقعات زیادہ اہم قرار پاتے ہیں جو انسان کی اجتماعی زندگی اور معاشرت پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ واقعۂ کربلا محض ایک تخیلی داستان نہیں بلکہ اس واقعے میں معاشرت کرنے کے اعلیٰ اقدار مل جائیں گے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے تاریخی واقعات کی بہ نسبت واقعۂ کربلا نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ حق گوئی، مظلومیت اور تمرد کے خلاف جہاد کرنا، یا ایسے اعلیٰ اقدار ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ معاشروں کو متاثر کیا بلکہ اس کے اثرات ادب و شعر پر بھی مرتسم ہوئے۔ (۱) یہی سبب ہے کہ اعلیٰ قدروں کی ترویج کے لئے کربلا کو استعارہ بنایا گیا (۲) اور ان استعاروں اور تلازموں سے نہایت عمدہ اور کارگر شہ پارے تخلیق کیے گئے۔ (۳، ۴)

---

(۱) مجتبیٰ حسین، پروفیسر "مرثیہ اور عہد جدید" مشمولہ جدید مرثیہ نگاری از سید وحید الحسن ہاشمی، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۶۷ء، ص ۱۸۴

(۲) گوپی چند نارنگ، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰

(۳) محمد حسن، ڈاکٹر "ادبی سماجیات کے نقطۂ نظر سے مرثیے کا مطالعہ" سہ ماہی "رثائی ادب" کراچی، اپریل ۲۰۰۲ء، ص ۱۱

(۴) سلیم اختر، ڈاکٹر "وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے" مشمولہ "العطش" (جلد سوم) لاہور، الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳۵

بالعموم یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا نے مختلف اصنافِ شعروادب کو متاثر کیا' بطور ثبوت غزل' داستان' افسانہ' مثنوی' ناول' نظم' ناولٹ اور دیگر اصناف میں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ کربلا نے محض شعروادب ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ اُردو شاعری کو متعدد اصناف سے مالا مال بھی کیا۔ آپ سلام' نوحہ اور مرثیہ کا بغور مطالعہ کیجئے اور اس سوال کا کھوج لگایئے کہ کیا واقعہ کربلا کے بغیر ان اصناف کا ظہور میں آنا ممکن تھا؟؟

صنفِ مرثیہ وہ ممتاز صنف ہے' جس کا خمیر اسی برصغیر میں تیار ہوا اور یہی وہ صنف ہے کہ جس میں اُردو کے بیشتر اصناف کے محاسن کا جوہر مل جاتا ہے۔(۵) اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ مرثیے کی صنف کو برصغیر پاک و ہند سے جو خصوصیت ہے وہ کسی دوسری صنف کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ سلام و نوحہ بھی صنفِ مرثیہ کی توسیع ہیں۔

مرثیہ' سلام اور نوحے کے اصناف ہر عہد میں اس لئے مقبولِ خاص و عام رہے کہ ان میں زندگی کی اعلیٰ قدریں پیش کی جاتی رہیں اور اسی سبب سے ان کے ذریعے اعلیٰ تر معاشرتی رویّے ظاہر ہوئے۔ آج بھی مذکورہ اصناف میں واقعۂ کربلا کے حوالے سے زندگی بسر کرنے کے بہترین تصورات مل جائیں گے۔(۶) واقعۂ کربلا کا یہ فیضان ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلق اعلیٰ تر معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں ایسے شعراء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے' جو ان اصناف کے حوالے سے معاشرے میں مثبت اقدار کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ انہی میں ایک سید وحید الحسن ہاشمی بھی ہیں' جو تقریباً نصف صدی سے مذکورہ اصناف کی آبیاری خونِ جگر سے کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ کربلا کے واقعے کے مختلف پہلوؤں کو جس طرح اُجاگر کیا ہے' وہ قابلِ تحسین ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موصوف نے واقعۂ کربلا کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو معاشرے میں رائج کرنے کا قابلِ قدر فریضہ انجام دیا ہے اور اسی باعث ان کا کلام بقول ڈاکٹر محمد سعید معز الدین

---

(۵) خواجہ محمد زکریا' ڈاکٹر' قدیم نظمیں' لاہور' بک ورلڈ' ۱۹۶۳ء' ص ۲۷۱

(۶) سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر' معروضات' لاہور' پولیمر پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ۳۷

نوجوان نسل کے لیے قابل تقلید نمونہ اور مشعل راہ ہے۔(۷)

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی سید وحید الحسن ہے تاہم موصوف وحید الحسن ہاشمی کے قلمی نام سے مقبول عام و خاص ہیں۔ آپ ۱۹۳۰ء میں شیراز ہند جون پور میں پیدا ہوئے۔(۸) آپ کے دادا مولوی میر انتظام علی جونپور میں فارسی قصیدے کے ایک مستند استاد تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کے والد گرامی سید شبیر حسن صفا الہ آبادی (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۷۵ء) فارسی، اردو اور ہندی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ سید وحید الحسن ہاشمی نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن جونپور میں حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول جونپور سے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ انٹرمیڈیٹ کی سند آر۔ ایس۔ کے۔ ڈی انٹر کالج جونپور سے ۱۹۴۶ء میں حاصل کی۔ اس کے بعد [illegible] یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ بی۔ اے کا امتحان دے کر جولائی ۱۹۴۸ء میں کراچی تشریف لے آئے یہاں ایک سرکاری ملازمت کر لی۔ اسی دوران ۱۹۴۸ء میں بی۔ اے کے امتحان کی سند بھی موصول ہو گئی۔ ۱۹۴۹ء میں لاہور تشریف لے آئے اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں ایم۔ اے اردو میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۵۱ء میں ایم۔ اے اردو کرنے کے بعد درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ ابتداً وطن اسلامیہ ہائی اسکول میں بطور معلم اپنے فرائض کی بجا آوری کرتے رہے۔ ازاں بعد نواب مظفر علی خان قزلباش کے قائم کردہ "حسینیہ ہائی اسکول لاہور" میں تیس برس تک صدر معلم یعنی پرنسپل کی حیثیت میں اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں شدید علالت کے بعد آپ نے اپنا تبادلہ پاکستان ماڈل ہائی اسکول رحمٰن پورہ لاہور میں کرا لیا اور یہیں سے ۱۹۸۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ آج کل موصوف اپنا بیشتر وقت تصنیف و تالیف

---

(۷) محمد سعید معز الدین، ڈاکٹر "سید وحید الحسن ہاشمی۔ ایک دردمند شاعر" ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۳

(۸) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، دہلی، ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۸۵

میں گزار رہے ہیں۔(۹)

سید وحید الحسن ہاشمی ایک علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں کئی صاحب طرز شاعر تھے۔ آپ کے بڑے بھائی سید محبوب الحسن حبیب شعر گوئی میں نہایت زود گو واقع ہوئے تھے اور اپنے زمانے کے معروف غزل گو شاعر علامہ آرزو لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے(۱۰) اس گھریلو فضا میں شعری ماحول سے متاثر ہو کر وحید الحسن ہاشمی نے بھی بارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ اپنے بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں آپ نے اپنی پہلی باقاعدہ غزل علامہ آرزو کو اصلاح کے لئے پیش کی' جس کا مطلع تھا۔

نہ آنکھوں میں آنسو نہ لب پر خوشی ہے
عجب کشمکش میں مری زندگی ہے

علامہ آرزو لکھنوی نے اس غزل کے صرف ایک شعر پر معمولی اصلاح دی اور توصیفی الفاظ کے ساتھ غزل واپس کر دی۔ آرزو لکھنوی کی اصلاح ملاحظہ فرمائیں۔

اصل شعر:

مبارک مبارک شہید محبت
کہ اس راہ میں موت بھی زندگی ہے

اصلاح شدہ شعر:

مبارک مبارک شہید محبت
کہ اس راہ میں موت ہی زندگی ہے (۱۱)

آپ نے رفتہ رفتہ اپنے کلام کے بل بوتے پر جونپور اور اس کے گردونواح میں اپنی

---

(۹) عبدالکریم خالد' پروفیسر ''تہذیب و ادب کی زندہ علامت'' ماہنامہ ''خواجگان'' لاہور' مارچ ۲۰۰۱ء' ص ۲۰

(۱۰) شبیہ الحسن' ڈاکٹر' کلیات حبیب' لاہور' الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۰

(۱۱) ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں' کراچی' سید اینڈ سید' ۱۹۸۲ء' ص ۴۷۵

شاعرانہ حیثیت کو منوانا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان کے جن مقتدر بزرگ شعراء سے انہیں نیازمندی حاصل رہی ان میں نوح ناروی' جگر مراد آبادی' شفیق جونپوری' صفی لکھنوی' یاس یگانہ چنگیزی' دل شاہجہانپوری' سیماب اکبر آبادی' نجم آفندی' سلام مچھلی شہری' وامق جونپوری اور فراق گورکھپوری کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

کراچی تشریف لانے کے بعد یہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں آپ نہایت جوش و خروش سے حصہ لیتے رہے۔ استاد قمر جلالوی سے آپ کے نہایت دیرینہ مراسم تھے اور یہ سلسلہ لاہور آنے تک برقرار رہا۔ (۱۲)

شہر لاہور کی ادبی فضا اور شعری مذاق اگرچہ کراچی کے علمی اور ادبی ماحول سے قدرے مختلف ہے لیکن وحید الحسن ہاشمی کی اُفتادِ طبع نے یہاں خوب خوب جوہر دکھائے۔ آپ کی شاعری کا بیشتر حصہ لاہور کے ادبی ماحول کا منت پذیر ہے۔ یہاں جو شعراء آپ کے ہم جلیس اور ہم عصر رہے' ان میں قیوم نظر' احسان دانش' شہرت بخاری' ناصر کاظمی' ہوش ترمذی' احمد ندیم قاسمی' عابد علی عابد' عارف عبدالمتین' سجاد باقر رضوی' طفیل دارا' نشتر جالندھری' رسا جالندھری' قمر میرٹھی' قتیل شفائی' قیصر بارہوی' سیف زلفی' مظفر وارثی' مرتضیٰ برلاس' حسن عسکری کاظمی' عاصم گیلانی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی علامہ سہیل بلگرامی کی استادانہ لیاقت اور شعری صلاحیتوں کے معرف اور معترف ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے ان سے غزلوں پر اصلاح لینا شروع کی لیکن ۱۹۵۶ء میں علامہ موصوف رحلت فرما گئے تو آپ سید آل رضا لکھنوی سے اصلاح لینے لگے' جو آرزو لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ سید آل رضا کی وفات (۱۹۷۸ء) کے بعد موصوف نے اپنی افتادِ طبع پر بھروسہ اور مشقِ سخن پر تکیہ کیا' گویا ۱۹۷۸ء سے تلمیذ الرحمن ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی نے نثر و نظم دونوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر محمد فخر الحق

---

(۱۲) عبدالکریم خالد "تہذیب و ادب کی زندہ علامت" ماہنامہ "خواجگان" لاہور' مارچ ۲۰۰۱ء' ص ۱۳

نوری نے انہیں کثیر الجہات شخصیت قرار دیا ہے۔(۱۳) اصنافِ سخن کے لحاظ سے غزلیں بھی کہیں اور سلام و نوحہ بھی تصنیف کئے۔ مرثیے بھی لکھے اور قصائد و منظومات سے بھی شغف رکھا تاہم صنفِ مرثیہ اور سلام سے آپ کو خصوصیت ہے کہ آپ نے ان اصناف میں سماجی ضرورتوں اور عصری تقاضوں اور طبعی رجحان کے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے انفرادی سطح سے تجاوز کر کے اجتماعی سطح پر عزائی ادب کے فروغ کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں' جس کے معترف و معرف جملہ اہلِ پاکستان ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے جدید مختصر مرثیے کی ضرورت اور افادیت کا پہلی مرتبہ احساس دلایا اور اس طرح جدید مختصر مرثیے کی بنیاد رکھی جو ۱۹۷۱ء کے بعد ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ عصرِ حاضر کے مرثیہ نگاروں کے فن پر آج بھی اس تحریک کے بہترین اثرات تلاش کئے جا سکتے ہیں۔(۱۴)

وحید الحسن ہاشمی ایک عرصے تک علم و ادب کی رزم گاہ کے شہسوار رہے ہیں اور اس میدان میں ان کے کارناموں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تخلیقی حوالے سے علم و ادب کے فروغ کے لئے آپ نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں۔ آپ مختلف رسائل کے مدیر رہے۔ متعدد ادبی انجمنوں اور علمی حلقوں کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے جن علمی و ادبی مجلوں کی ادارت فرمائی ان میں ماہنامہ ''وطن'' لاہور (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۲ء)۔ ماہنامہ ''پیامِ عمل'' لاہور (۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۷ء)۔ ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' لاہور (۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء) ماہنامہ ''تنظیم الاسلام'' لاہور (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء) بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ حال ہی میں آپ نے ماہنامہ ''پیامِ عمل'' لاہور کے مدیر کی حیثیت سے اپنے فرائض دوبارہ انجام دینا شروع کئے ہیں۔ آجکل آپ دو رسالوں ''خواجگان'' (لاہور) اور ''المہدی'' (لاہور) کے اعزازی مدیر بھی

---

(۱۳) محمد فخر الحق نوری' ڈاکٹر'' سید وحید الحسن ہاشمی۔ ایک کثیر الجہات شخصیت'' ماہنامہ ''شام و سحر''
لاہور' دسمبر ۲۰۰۲ء' ص ۲۰

(۱۴) ہلال نقوی' ڈاکٹر' بیسو ' کراچی' محمدی ٹر

ہیں۔ جن انجمنوں اور ادبی حلقوں کے آپ سیکرٹری رہ چکے ہیں' ان میں ایوانِ ادب لاہور' انجمن اُردو مصنفین لاہور' حلقہ مصنفین پاکستان' حلقہ شعرائے اہلِ بیت پاکستان' مجلس یادگار آزاد لاہور' مجلس یادگار انیس لاہور' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی کی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں گزرا ہے اور یہ سلسلہ اسی آب وتاب سے آج بھی جاری وساری ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے عمر بھر علم وادب کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ انہوں نے نثر وشعر دونوں میدانوں میں طبع آزمائی کی اور بیسیوں کتابیں علم وادب کے شائقین کی نذر کیں۔ ذیل میں ان کتابوں کی فہرست پیش خدمت ہے۔ آپ اس فہرست کا مطالعہ فرمائیے اور دیکھیے کہ ہاشمی صاحب نے کتنے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔

۱۔ الصراط	سلام ونوحہ	۱۹۴۸ء
۲۔ خون اور آنسو	سلام ونوحہ	۱۹۵۰ء
۳۔ بہتر (۷۲) پیاسے	سلام ونوحہ	۱۹۵۱ء
۴۔ اجرِ رسالتؐ	سلام ونوحہ	۱۹۵۲ء
۵۔ زبانِ مقتل	سلام ونوحہ	۱۹۵۶ء
۶۔ حیاتِ غم	سلام ونوحہ	۱۹۵۶ء
۷۔ تفسیر انقلاب	نظم	۱۹۵۸ء
۸۔ مباحثے	ادبی مضامین (طلبہ کے لئے)	۱۹۶۰ء
۹۔ ''عظمت انسان'' اور جدید فن مرثیہ نگاری	آل رضا کے مرثیے ''عظمتِ انسان'' پر معروف ناقدین کے مقالات کا مجموعہ	۱۹۶۳ء
۱۰۔ سلامِ وفا	شعراء کے سلام	۱۹۶۹ء
۱۱۔ ناموسِ وفا	مرثیہ	۱۹۷۴ء
۱۲۔ خونِ تبسم	مرثیہ	۱۹۷۴ء

۱۳۔ شبِ عاشور	مرثیہ	۱۹۷۵ء
۱۴۔ خلقِ حسنؑ	مرثیہ	۱۹۷۶ء
۱۵۔ حسینؑ اور قربانی	مرثیہ	۱۹۷۷ء
۱۶۔ زندگی	مرثیہ	۱۹۷۸ء
۱۷۔ صبر	مرثیہ	۱۹۸۱ء
۱۸۔ سفیرِ آلِ محمدؐ	مرثیہ	۱۹۸۱ء
۱۹۔ ملیکۃ العربؑ	مرثیہ	۱۹۸۳ء
۲۰۔ چراغِ صحرا	مجموعۂ سلام	۱۹۸۵ء
۲۱۔ طاہرین	مجموعۂ منقبت	۱۹۸۸ء
۲۲۔ العطش (جلد اول)	مجموعۂ مراثی	۱۹۸۹ء
۲۳۔ شعراب	غزلیں	۱۹۹۳ء
۲۴۔ تنقیدی جہتیں	مضامین	۱۹۹۴ء
۲۵۔ العطش (جلد دوم)	مرثیے	۱۹۹۵ء
۲۶۔ معصومینؑ	منقبت	۱۹۹۶ء
۲۷۔ یاسینؑ	نعتیں	۱۹۹۶ء
۲۸۔ العطش (جلد سوم)	مرثیے	۱۹۹۶ء
۲۹۔ ہل من ناصر (جلد اول)	تنقید مراثی	۲۰۰۰ء
۳۰۔ ہل من ناصر (جلد دوم)	تنقید مراثی	۲۰۰۱ء
۳۱۔ اداریے	رسائل کے اداریے	۲۰۰۲ء
۳۲۔ آلِ رضا کے خطوط اور اصلاحیں	تحقیق	۲۰۰۳ء
۳۳۔ العطش	کلیاتِ مراثی	۲۰۰۵ء

باب دوم

سیّد وحید الحسن ہاشمی کے فکر و فن پر لکھی گئیں تخلیقات

اردو شعر و ادب میں ایسے خوش بخت تخلیق کاروں کی تعداد انتہائی قلیل ہے جنہیں ان کی حیات ہی میں پذیرائی نصیب ہوئی ہو۔ غالب سے لے کر احمد ندیم قاسمی تک شعرا اپنی ناقدری کا رونا روتے رہے ہیں۔ عصرِ حاضر کے ایک معروف شاعر کا یہ شعر ہمارے معاشرتی اور اخلاقی روّیوں کا بھرپور اظہار کرتا ہے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

سیّد وحید الحسن ہاشمی ان گنے چنے نفوس میں شامل ہیں جن کی معاشرے نے بے حد قدر و منزلت کی۔ انہیں سینکڑوں اعزازات اور میڈلز سے نوازا گیا۔ ان کے اعتراف ہنر میں بیسیوں تقاریب منعقد کرائی گئیں۔ اخبارات، جرائد اور ذرائع ابلاغ نے ان کے افکار و نظریات کی تشہیر کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عصرِ حاضر کے نامور شعرا اور ناقدین نے وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت اور فن کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس یگانہ روزگار شخصیت پر نئے تناظر سے کام کیا جائے تا کہ ''وحید شناسی'' کا حق ادا ہو سکے۔ اس باب میں ہم نے کوشش کی ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت اور فن پر ناقدین نے جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی فہرست صنف وار قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے تا کہ وحید الحسن ہاشمی کے حوالے

سے کام کرنے والے محققین اور ناقدین کو دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسی طرح ہم نے ان شعرا کی شعری تخلیقات کی ایک فہرست بھی پیش کر دی ہے جنہوں نے ہاشمی صاحب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس باب میں طوالت کے خوف کے باعث مختصر خبروں، تبصروں، کالموں اور تقاریب کی رپورٹوں کو عمداً پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں ''وحید شناسی'' کے حوالے سے ہماری یہ تحقیقی کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

مرثیہ

۱۔ انتظار حسین — وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے کا فن

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۲۔ آغا سہیل، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی اور جدید مرثیے

عباس رضا (مرتب) وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے

عباس رضا (مرتب) وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ مسعود رضا خاکی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری

عباس رضا (مرتب) وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۵۔ مظفر عباس، ڈاکٹر — اُردو مرثیے کے وحید العصر

عباس رضا (مرتب) وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۶۔ حسن رضوی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں احساسِ تحیر

عباس رضا (مرتب) وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۷۔ علی حسین رضوی — ایک مرثیہ گو۔ ایک سیرت نگار

مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۸۔ متین۔ اے شیخ — وحید الحسن ہاشمی۔ ایک رثائی شاعر

مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۹۔ اشفاق نقوی — Lahore Literary Scene

روزنامہ ''ڈان'' لاہور' ۲۵ مئی ۱۹۹۵ء

۱۰۔ علی عباس سید — وحید الحسن ہاشمی ایک منفرد مرثیہ گو

عباس رضا (مرتب) وحید عصر' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

۱۱۔ شبیہ الحسن' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی ۔ایک معتبر مرثیہ نگار

اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار' لاہور' اظہار سنز' ۲۰۰۳ء

۱۲۔ محمد اشرف' پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگار

وحید الحسن ہاشمی حسینؑ اور قربانی' لاہور: حلقہ شعرائے اہلبیت ۱۹۷۷

۱۳۔ میمونہ انصاری' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''ناموسِ وفا'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۱۴۔ محمد زکریا' خواجہ' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''خونِ تبسم'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۱۵۔ سرفراز قاضی' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''شبِ عاشور'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۱۶۔ سید سجاد رضوی — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''خلقِ حسنؑ'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۱۷۔ عاصی کرنالی' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''حسینؑ اور قربانی'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۱۸۔ خیال امروہوی' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''زندگی'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۱۹۔ عتیق احمد' پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''صبر'' (تجزیہ)

''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵

۲۰۔ محمد اجمل نیازی ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "سفیر آل محمدؐ" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۱۔ آغا سہیل ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "ملیکۃ العربؑ" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۲۔ سہیل احمد خاں ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "زنجیر سفر" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۳۔ عبیداللہ خاں ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "سرکار وفا" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۴۔ اسرار زیدی — وحید الحسن ہاشمی ایک اسلوب نگار
ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء

۲۵۔ ظفر جونپوری — وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کا مطالعہ
مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۲۶۔ محمد صالح طاہر ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "سرکار وفا" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۷۔ محمد ہارون قادر پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "پردہ" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۸۔ مشکور حسین یاد پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "آرزوئے علیؑ" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۲۹۔ معراج نیّر ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "انا اور خودداری" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۰۔ نیّر صمدانی ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "بچپن" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۱۔ نوازحسن زیدی ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "جوہر وراثت" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۲۔ باقر علی شاہ ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "آ گئے ابوالقاسم خوئی"
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۳۔ ریاض قدیر ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "شباب" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۴۔ ضیاالحسن ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "معرفتِ ذات" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۵۔ شاہد نقوی — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "جوہر تقویٰ" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۶۔ عارف ثاقب ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "پیری" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۷۔ طارق عزیز ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "شخص و شخصیت" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۸۔ سلیم اختر ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "کشمکش" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۳۹۔ ظفر چشتی پروفیسر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "کربلا کربلا" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۰۔ عبدالکریم خالد ڈاکٹر — وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "ادب اور ادیب" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۱۔ حسن عسکری کاظمی وحیدالحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ "حقیقتِ موت" (تجزیہ)
"العطش" (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۲۔ سجاد حارث، پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''قوم و قومیت'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۳۔ نصیر عالم زیدی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''قیادت'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۴۔ محمد فخر الحق نوری، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''احتساب'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۵۔ سحر انصاری، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''احساس'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۶۔ حسن عسکری کاظمی — ''احساس۔ تازگی کا مظہر''
مقالہ۔ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۴۷۔ تابش دہلوی — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''آئین'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۸۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''آئین'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۴۹۔ ناہید شاہد، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''احتجاج'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۰۔ مرغوب حسین طاہر — ''وحدت فکر کی ایک مثال۔ احتجاج''
مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۵۱۔ انور سدید، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''زمانہ'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۲۔ شہزاد احمد — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''ارتقا'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیات مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۳۔ کنول فیروز، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''اعتماد'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیاتِ مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۴۔ ہلال نقوی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''ماحول'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیاتِ مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۵۔ امجد اسلام امجد — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''جلوۂ سخن'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیاتِ مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۶۔ مرغوب حسین طاہر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''جارحیت'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیاتِ مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۷۔ ناصر بلوچ، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''جانِ شہادت'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیاتِ مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۸۔ انتظار حسین — Short Marsia Writing
روزنامہ ''ڈان'' لاہور، یکم اپریل ۲۰۰۱ء

۵۷۔ ناصر بلوچ، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کا ایک مرثیہ ''جانِ شہادت'' (تجزیہ)
''العطش'' (کلیاتِ مراثی) لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵

۵۸۔ واجد علی سید — وحید الحسن ہاشمی اور جدید مرثیہ
روزنامہ ''آزاد'' کراچی، ۱۳ مئی ۱۹۹۸ء

غزل

۱۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کی غزل گوئی
عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۲۔ ساحر لکھنوی — شعراب۔ایک جائزہ
عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ علی ظہیر منہاس، ڈاکٹر — شعراب۔ایک مطالعہ

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ مامون ایمن — ژرف نگاہ شاعر۔سید وحید الحسن ہاشمی

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۵۔ شاہین بھٹی، پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی ایک منفرد شاعر

مقالہ غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف

۶۔ سید جمیل احمد رضوی — سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری عظمت

مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۷۔ حمید کوثری — شعراب۔ایک جائزہ

چندرہ روزہ "ذوالفقار" پشاور، یکم جولائی ۱۹۹۶ء

شخصیت

۱۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر — حسن ہزار شیوہ

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۲۔ احمد عقیل روبی، پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی۔بادل کا ٹکڑا

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ حسن عسکری کاظمی، پروفیسر — ہاشمی صاحب۔چند یادیں چند باتیں

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ عبدالکریم خالد، پروفیسر — تہذیب و ادب کی زندہ علامت۔سید وحید الحسن ہاشمی

ماہنامہ "خواجگان" ۲۰۰۱ء

۵۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی۔ایک تہذیبی شخصیت

ماہنامہ "شام و سحر" دسمبر ۲۰۰۲ء

۶۔ فخر الحق نوری' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی ایک ہمہ جہت شخصیت

ماہنامہ ''شام و سحر'' دسمبر ۲۰۰۲ء

۷۔ طارق عزیز' ڈاکٹر — باصبری یاران وطن

ماہنامہ ''شام و سحر'' دسمبر ۲۰۰۲ء

۸۔ عبدالکریم خالد' پروفیسر — ہاشمی صاحب بحرِ بے کراں

روزنامہ ''صحافت'' ۶ مئی ۲۰۰۳ء

نعت

۱۔ حنیف اسعدی — سید وحید الحسن ہاشمی کی نعت نگاری

عباس رضا' وحید عصر' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

۲۔ حسن عسکری کاظمی' پروفیسر — یاسین پر ایک طائرانہ نظر

روزنامہ ''مساوات'' لاہور' ۱۴۔ فروری ۱۹۹۸ء

۳۔ ظفر الحق چشتی' پروفیسر — یاسین اور فن نعت نگاری

عباس رضا' وحید عصر' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

۴۔ عارف ثاقب' ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کی نعت گوئی

عباس رضا' وحید عصر' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

۵۔ ہادی نقوی — اُفقِ نعت کا خورشید تاباں

عباس رضا' وحید عصر' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

۶۔ ذوالفقار علی' پروفیسر — ایک معروف نعت گو سید وحید الحسن

مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۷۔ سید محمد رضا زیدی — سید وحید الحسن ہاشمی کا مجموعہ نعت یاسین

مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

۸۔ عاصی کرنالی' ڈاکٹر — سید وحید الحسن ہاشمی کی نعت نگاری

اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر' کراچی' سید اینڈ سید ۲۰۰۱

منقبت

۱۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی کی منقبت نگاری

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۲۔ خیال امروہوی، ڈاکٹر — بارگاہِ رسالت و امامت اور وحید الحسن

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ سحر انصاری، ڈاکٹر — وحید الحسن ہاشمی۔ چند تاثرات

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ محمد سعید معز الدین، ڈاکٹر — سید وحید الحسن ہاشمی ایک دردمند شاعر

ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، دسمبر ۲۰۰۱ء

نظم

۱۔ عبدالکریم خالد، پروفیسر — وحید الحسن ہاشمی کی نظم اور حالی کی شعری روایت

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

سلام

۱۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر — سید وحید الحسن ہاشمی کی سلام نگاری

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۲۔ عظمیٰ عزیز، پروفیسر — سید وحید الحسن ہاشمی کی سلام نگاری کا مطالعہ

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ عنبرین خان — سید وحید الحسن ہاشمی بحیثیت سلام نگار

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ ہارون قادر، پروفیسر — وحیدالحسن ہاشمی کی سلام نگاری

مقالہ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم الحروف

نوحہ

۱۔ حسن عسکری عابدی — وحیدالحسن ہاشمی کے نوحوں پر ایک نظر

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۲۔ نواز حسین زیدی، پروفیسر — سید وحیدالحسن ہاشمی کی نوحہ نگاری

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

نثر

۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر — مباحثے کا فن اور وحیدالحسن ہاشمی

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۲۔ علاؤالدین صدیقی، علامہ — فن خطابت اور وحیدالحسن ہاشمی

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر — سید وحیدالحسن ہاشمی کی تنقید

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ محمد فخرالحق نوری، ڈاکٹر — سید وحیدالحسن ہاشمی کی تنقیدی جہتیں

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۵۔ نواز زیدی، پروفیسر — وحیدالحسن ہاشمی کی نثری جولانیاں

ماہنامہ ''شام و سحر''، لاہور، ۲۰۰۲ء

۶۔ اشفاق نقوی — A prolific author

روزنامہ ''ڈان''، لاہور، ۲۶۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء

گفتگو (انٹرویو۔ مکالمہ)

۱۔ اختر ہاشمی

روزنامہ ''حریت'' کراچی ۱۷۔ جنوری)

۲۔ باقر علی شاہ/ پروفیسر وزیر جعفری

عباس رضا/ وحید عصر/ لاہور/ الحسن پبلی کیشنز/ ۱۹۹۸ء

۳۔ اختر سعیدی

روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۳۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء

۴۔ عمران نقوی

روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور/ ۱۴۔ نومبر ۲۰۰۳ء

۵۔ جاوید صدیق بھٹی

روزنامہ ''دن'' لاہور/ ۳۔ فروری ۲۰۰۴ء

۶۔ رؤف ظفر

روزنامہ ''جنگ'' لاہور/ ۹۔ اپریل ۲۰۰۴ء

۷۔ واجد سید

روزنامہ ''دی سن'' لاہور/ ۱۱ مارچ ۲۰۰۰ء

۸۔ سرمد حسین جعفری

روزنامہ ''صحافت'' لاہور/ ۲۴ دسمبر ۲۰۰۲ء

منظوم خراجِ تحسین

۱۔ نیساں اکبر آبادی — وہ ہستی کونسی ہے جو نمایاں اور اعلیٰ ہے

عباس رضا/ وحید عصر/ لاہور/ الحسن پبلی کیشنز/ ۱۹۹۸ء

۲۔ عاصم گیلانی، سید — کوچۂ نعت میں قدم رکھا

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۔ جعفر بلوچ، پروفیسر — نگارندۂ دفتر آگہی

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۴۔ نزدوش ترابی، پروفیسر — اک عہد معتبر ہے وحید الحسن کی ذات

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۵۔ طاہر ناصر علی — دیار شعر و سخن میں سنا دیا تو نے

عباس رضا، وحید عصر، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۶۔ مظفر نقوی — ہیں منفرد کمال کے حامل وحید عصر

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۷۔ موسیٰ کلیم نظامی — نہ کسی گلبدن کی بات کرو

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۸۔ علی ضیغم ہمدانی — ستائش فقط پنجتن کے لئے

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۹۔ اختر ہاشمی — چمک رہا ہے زمیں کے ورق پہ نام اُس کا

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، جولائی ۲۰۰۱ء

۱۰۔ رضا عباس رضا — حمد خدا ہو نعت رسالتمابؐ ہو

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۱۔ علی رضا کاظمی — اہلِ ادب کے قلب میں گھر ہاشمی کا ہے

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۲۔ خوشتر علی خوشتر — جو بشر تذکرۂ کرب و بلا کرتا ہے

ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۳۔ طارق عزیز، ڈاکٹر　　تہذیب فکر عظمت افکار کی دلیل

ماہنامہ ''شام وسحر'' دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۴۔ ظفر چشتی، پروفیسر　　تیرے کلام سے ہے نہ میرے سخن سے ہے

ماہنامہ ''شام وسحر'' دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۵۔ حشمت علی قمر　　سننا جو چاہتا ہے کمال سخن کی بات

ماہنامہ ''شام وسحر'' دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۶۔ ظہور حیدر جارچوی　　کہنے کو العطش یہ کتاب وحیدؔ ہے

العطش مراثی، وحید الحسن ہاشمی ۱۹۸۹ء

۱۷۔ عرفی ہاشمی　　شب اَدب میں اُجالوں کا استعارہ ہے

ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۸۔ علی کوثر زیدی　　جس دم وحیدؔ عصر وحیدؔ سحر ہوا

ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء

فہرست کتب

(جن میں سیّد وحید الحسن ہاشمی کا تذکرہ موجود ہے)

۱۔ ضمیر اختر نقوی　　اردو مرثیہ پاکستان میں

شیخ شوکت علی اینڈ سنز، کراچی ۱۹۸۲ء

۲۔ طاہر حسین کاظمی، سید، ڈاکٹر　　اردو مرثیہ انیس انیسؔ کے بعد

ایرانین آرٹ پرنٹرز، دہلی ۱۹۹۷ء

۳۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر　　ترجیحات

اظہار سنز، لاہور ۱۹۹۸ء

۴۔ عبدالکریم خالد　　چند اور مضامین

۵۔ ہلال نقوی ڈاکٹر بیسویں صدی اور جدید مرثیہ

محمدی ٹرسٹ کراچی ۱۹۹۶ء

۶۔ عارف ثاقب ڈاکٹر تنقید

الرزاق پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء

۷۔ احسان دانش جہانِ دانش (جلد سوم)

۸۔ محمد فخرالحق نوری ڈاکٹر توضیحات

پولیمر پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۰ء

۹۔ عباس رضا پروفیسر وحید عصر

الحسن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء

۱۰۔ شبیہ الحسن ڈاکٹر اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار

اظہار سنز لاہور ۲۰۰۴ء

۱۱۔ عاصی کرنالی ڈاکٹر اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر

کراچی سید اینڈ سید ۲۰۰۱ء

تحقیقی مقالہ جات

۱۔ عباس رضا ڈاکٹر اُردو میں سلام نگاری

(مقالہ) پی ایچ۔ ڈی (اُردو) پنجاب یونیورسٹی لاہور ۲۰۰۴ء

۱۔ عنبرین خان سید وحید الحسن ہاشمی۔ شخصیت و فن

(مقالہ) ایم اے اُردو گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور ۱۹۹۳ء

۲۔ عظمٰی عزیز اُردو شاعری میں سلام نگاری۔ قیام پاکستان کے بعد

(مقالہ) ایم اے اُردو گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور ۱۹۹۲ء

فلیپ

(سید وحید الحسن ہاشمی کی مختلف کتابوں پر لکھے گئے فلیپ)

۱۔ عبادت بریلوی ڈاکٹر۔ آغا سہیل ڈاکٹر	طاہرین (وحید الحسن ہاشمی) لاہور ۱۹۸۸ء
۲۔ احمد ندیم قاسمی۔ وحید قریشی ڈاکٹر	العطش (مرثیے) جلد سوم لاہور ۱۹۸۹ء
۳۔ احمد عقیل روبی پروفیسر	العطش (مرثیے) جلد سوم لاہور ۱۹۹۸ء
۴۔ خورشید رضوی ڈاکٹر	یاسین (مجموعہ نعت) لاہور ۱۹۹۷ء
۵۔ وحید قریشی ڈاکٹر	تشنہ لب ہے حسینؑ (سلام) لاہور ۱۹۹۹ء
۶۔ انور سدید ڈاکٹر	اداریے لاہور ۲۰۰۲ء
۷۔ سید شبیہ الحسن ڈاکٹر	سید آل رضا کے خطوط اور اصلاحیں لاہور ۲۰۰۴ء

آپ نے درج بالا فہرست کا مطالعہ کرنے کے بعد یقیناً یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ پاکستان کا شاید ہی کوئی ایسا نقاد اور محقق ہوگا جس نے وحید الحسن ہاشمی کے فکر و فن پر قلم نہ اٹھایا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ درج بالا کاملین فن کا سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت اور فن پر تبصرہ کرنا باعث امتنان ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت اور فن کے نئے گوشوں کی بازیافت کریں تا کہ "وحید شناسی" کی روایت مستحکم ہو جائے۔

❖❖❖

باب سوم

سیّد وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کا تجزیہ

سیّد وحید الحسن ہاشمی نے یوں تو ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی (۱۵) لیکن ان کے جوہر مرثیہ میں کھل کر ہمارے سامنے آئے۔ان کا کمال یہ نہیں کہ انہوں نے محض مرثیے تخلیق کر دیے بلکہ ان کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے جدید مرثیے کی تحریک شروع کر کے بیسیوں مرثیہ نگار پیدا کیے۔اب یہ بات بلاتردید کہی جا سکتی ہے کہ پنجاب میں اردو مرثیے کو زوال سے بچانے والوں میں وحید الحسن ہاشمی کا نام سرفہرست ہے(۱۶) اور وہ بقول ڈاکٹر عاصی کرنالی رثائی ادب کے عصری کارواں کی قیادت فرما رہے ہیں۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے چالیس مرثیے تخلیق کیے اور یہ سلسلہ ہنوز اسی آب و تاب سے جاری ہے۔ان کے مرثیوں کے تین بنیادی مجموعے (۱۷) ''العطش'' (جلد اول' جلد دوم

---

(۱۵) نواز حسن زیدی' ڈاکٹر'' وحید الحسن ہاشمی کی نثری جولانیاں'' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' دسمبر ۲۰۰۲ء' ص ۲۱

(۱۶) عاصی کرنالی' ڈاکٹر'' مل من ناصر (رائے)'' لاہور' مرثیہ نگاران پنجاب' ۲۰۰۲ء' ص ۹

(۱۷) (i) سید وحید الحسن ہاشمی' العطش (جلد اول)' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء

(ii) سید وحید الحسن ہاشمی' العطش (جلد دوم)' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء

(iii) سید وحید الحسن ہاشمی' العطش (جلد سوم)' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء

اور جلد سوم) شائع ہو کر ارباب دانش سے داد سمیٹ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بیشتر مراثی علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں بھی طبع ہو چکے ہیں۔(۱۸) اسی طرح مرثیوں کے مختلف انتخاب میں بھی ان کے بعض مرثیے شائع ہو چکے ہیں۔(۱۹) ذیل میں سید وحید الحسن ہاشمی کے تمام مرثیوں کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے۔ تاہم یہ بات قارئین کے پیش نظر رہے کہ اسال اکتیسویں مرثیے سے لے کر چالیسویں مرثیے تک دس مراثی ''العطش'' (کلیات) میں شائع ہو گئے ہیں۔(۲۰)

---

(۱۸) سید وحید الحسن ہاشمی کے علیحدہ کتابی شکل میں چھپنے والے مراثی درج ذیل ہیں:

(i) سید وحید الحسن ہاشمی 'ناموسِ وفا' لاہور: آکسفورڈ پریس '۱۹۷۳ء

(ii) سید وحید الحسن ہاشمی 'خونِ تبسم' لاہور: مارچ ۱۹۷۳ء

(iii) سید وحید الحسن ہاشمی 'شبِ عاشور' لاہور' نامی پریس '۱۹۷۵ء

(iv) سید وحید الحسن ہاشمی 'خلق حسن' لاہور: ضیغم اسلام اکیڈمی '۱۹۷۶ء

(v) سید وحید الحسن ہاشمی 'حسین اور قربانی' لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت '۱۹۷۷ء

(vi) سید وحید الحسن ہاشمی 'زندگی' لاہور: حلقۂ مصنفین پاکستان '۱۹۷۸ء

(vii) سید وحید الحسن ہاشمی 'صبر' لاہور: حلقۂ اردو مصنفین پاکستان '۱۹۷۹ء

(viii) سید وحید الحسن ہاشمی 'سفیرِ آلِ محمدؐ' گوجرانوالہ : عباس اینڈ سنز '۱۹۸۱ء

(ix) سید وحید الحسن ہاشمی 'ملیکۃ العرب (حضرت خدیجۃ الکبریٰ)' لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت پاکستان '۱۹۸۲ء

(۱۹) سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے درج ذیل انتخاب میں بھی شائع ہو چکے ہیں:

(i) سید وحید الحسن ہاشمی 'ھل من ناصر' لاہور: مرثیہ نگاران پنجاب '۲۰۰۰ء

(ii) آغا قمر حسنین (مرتب) 'لہولہو کہکشاں' کراچی: ادارہ تقدیس قلم '۱۹۸۹ء

(iii) آغا قمر حسنین (مرتب) 'لہولہو کہکشاں' کراچی: ادارہ تقدیس قلم '۱۹۹۰ء

(iv) آغا قمر حسنین (مرتب) 'لہولہو کہکشاں' کراچی: ادارہ تقدیس قلم '۱۹۹۲ء

(۲۰) سید وحید الحسن ہاشمی کے تمام مرثیے ''العطش'' کی ایک جلد میں کلیات کی صورت میں شائع ہو چکے

پہلا مرثیہ

- نام مرثیہ — ناموسِ وفا
- سنِ تخلیق — ۱۹۷۳ء
- کل بند — ۴۵
- مطلع — ع ماضی کا حال حال کے منظر میں دیکھیے
- موضوع — حضرت زینبؑ کی سیرت کے نمایاں اوصاف

دوسرا مرثیہ

- نام مرثیہ — خونِ تبسم
- سنِ تخلیق — ۱۹۷۴ء
- کل بند — ۵۱
- مطلع — ع عالم پہ ہے محیط محبت کی روشنی
- موضوع — حضرت علی اصغرؑ کی شہادت

تیسرا مرثیہ

- نام مرثیہ — شبِ عاشور
- سنِ تخلیق — ۱۹۷۴ء
- کل بند — ۴۰
- مطلع — ع انسان خالقِ دو جہاں کا کمال ہے
- موضوع — عاشور کی شب کی فضیلت اور اس کے اثرات

چوتھا مرثیہ

- نام مرثیہ — خلقِ حسنؑ
- سنِ تخلیق — ۱۹۷۶ء

- کل بند ۵۱
- مطلع ع اخلاق پر مدار شعور حیات ہے
- موضوع حضرت امام حسنؑ کی سیرت کے نمایاں پہلو اور شہادت

پانچواں مرثیہ

- نام مرثیہ حسینؑ اور قربانی
- سنِ تخلیق ۱۹۷۷ء
- کل بند ۵۰
- مطلع ع وہم و گماں کے دشت میں حیراں ہے آدمی
- موضوع عصرِ حاضر کے مسائل اور حضرت امام حسینؑ کی قربانی

چھٹا مرثیہ

- نام مرثیہ زندگی
- سنِ تخلیق ۱۹۷۸ء
- کل بند ۵۶
- مطلع ع وحدت جمالِ کل ہے تو مظہر ہے زندگی
- موضوع حضرت علی اکبرؑ کی سیرت کے گرانقدر پہلو اور شہادت

ساتواں مرثیہ

- نام مرثیہ صبر
- سنِ تخلیق ۱۹۷۹ء
- کل بند ۵۶
- مطلع ع صبر کو لوگ مسیحائے جہاں کہتے ہیں
- موضوع صبر کی اہمیت اور امام زین العابدینؑ کے مصائب و شہادت

آٹھواں مرثیہ

- نام مرثیہ: سفیر آل محمدؐ
- سن تخلیق: ۱۹۸۰ء
- کل بند: ۶۹
- مطلع: ع ذہن وطن کا آئینہ بردار ہے سفیر
- موضوع: سفیر آل محمدؐ حضرت مسلم بن عقیلؑ کی سفارت اور شہادت

نواں مرثیہ

- نام مرثیہ: ملیکۃ العربؑ
- سن تخلیق: ۱۹۸۲ء
- کل بند: ۶۱
- مطلع: ع میزان روشنی میں زمانے کو تو لئے
- موضوع: حضرت خدیجہؑ کے کارنامے اور مصائب حضرت زینبؑ

دسواں مرثیہ

- نام مرثیہ: زنجیر سفر
- سن تخلیق: ۱۹۸۷ء
- کل بند: ۵۶
- مطلع: ع تکمیل سفر کیجئے زنجیر سفر سے
- موضوع: حضرت امام زین العابدینؑ کی سیرت اور شہادت

گیارہواں مرثیہ

- نام مرثیہ: سرکار وفا
- سن تخلیق: ۱۹۸۸ء

- کل بند ۶۰
- مطلع ع وفا ہے سلطنتِ حق نظام ہے عباسؑ
- موضوع حضرت عباس علمدار کی سیرت اور شہادت

بارہواں مرثیہ

- نام مرثیہ اُسوۂ بتولؑ
- سنِ تخلیق ۱۹۸۹ء
- کل بند ۶۳
- مطلع ع جی چاہتا ہے مدحِ پیمبرؐ کی بات ہو
- موضوع حضرت فاطمہؑ کی سیرت کے محاسن اور مصائبِ حیات

تیرہواں مرثیہ

- نام مرثیہ پردہ
- سنِ تخلیق ۱۹۹۰ء
- کل بند ۶۵
- مطلع ع تزئین کائنات کے منظر عجیب ہیں
- موضوع حجاب کی اہمیت اور وفات حضرت سکینہؑ

چودہواں مرثیہ

- نام مرثیہ آرزوئے علیؑ
- سنِ تخلیق ۱۹۹۰ء
- کل بند ۶۶
- مطلع ع آرزوئے اسد اللہ رقم کرتا ہوں
- موضوع حضرت بی بی اُم البنینؑ کے فضائل و مصائب

پندرہواں مرثیہ

- نام مرثیہ — أنا اور خودداری
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۱ء
- کل بند — ۷۲
- مطلع — ع اس دور کا انسان گرفتارِ بلا ہے
- موضوع — عصرِ حاضر کی پریشان حالی اور مصائبِ زندانِ شام

سولہواں مرثیہ

- نام مرثیہ — بچپن
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۲ء
- کل بند — ۵۰
- مطلع — ع زیست کی منزلِ اوّل کا سفر ہے بچپن
- موضوع — بچپن کی اہمیت، شہادت حضرت علی اصغرؑ

سترہواں مرثیہ

- نام مرثیہ — جوہرِ وراثت
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۲ء
- کل بند — ۶۱
- مطلع — ع عمل حدیقۂ انسانیت کی خوشبو ہے
- موضوع — تذکرۂ علامہ مصطفیٰ جوہر۔ جناب سکینہؑ کے مصائب

اٹھارواں مرثیہ

- نام مرثیہ — آقائے ابوالقاسم خوئی
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۲ء

- کل بند ۴۷
- مطلع ع انسان کائنات کے خالق کا نور ہے
- موضوع تذکرہ آقائے خوئی۔ حضرت امام حسینؑ کی آخری رخصت

انیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ شباب
- سنِ تخلیق ۱۹۹۳ء
- کل بند ۶۱
- مطلع ع شباب حسن کی رنگینیوں کا محور ہے
- موضوع جوانی کی اہمیت' شہادت حضرت علی اکبرؑ

بیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ معرفتِ ذات
- سنِ تخلیق ۱۹۹۴ء
- کل بند ۵۹
- مطلع ع تلاشِ ذات میں سرگرم و سرگراں ہے بشر
- موضوع ذات کی اہمیت' شامِ غریباں میں حضرت زینبؑ کے بین

اکیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ جوہرِ تقویٰ
- سنِ تخلیق ۱۹۹۴ء
- کل بند ۶۰
- مطلع ع آثار حرف کن کی کہانی عجیب ہے
- موضوع مولانا مصطفیٰ جوہر کی خدمات۔ امام حسینؑ کے مصائب

بائیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — پیری
- سن تخلیق — ۱۹۹۴ء
- کل بند — ۶۰
- مطلع — ع خالق کی ثنا محورِ عقلِ بشری ہے
- موضوع — بڑھاپے کی عظمت۔ امام حسینؑ کی علی اکبرؑ کی میت پر آمد

تیئیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — شخص اور شخصیت
- سن تخلیق — ۱۹۹۴ء
- کل بند — ۶۴
- مطلع — ع شخصیت تکملۂ جذبۂ انسانی ہے
- موضوع — شخصیت کی تشکیل و تکمیل کے مراحل، شہادت حضرت حرؑ

چوبیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — کشمکش
- سن تخلیق — ۱۹۹۵ء
- کل بند — ۵۸
- مطلع — ع کشمکش ذہن کی اُلجھی ہوئی قوت کا ہے نام
- موضوع — انسانی ذہن اور کشمکش کی صورتیں، جناب زینبؑ کے مصائب

پچیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — کربلا کربلا
- سن تخلیق — ۱۹۹۵ء

- کل بند ۵۲
- مطلع ع دل کا آئینہ مکدر ہے جگر زخمی ہے
- موضوع عصرِ حاضر کی صورت حال۔ شہادت جناب علی اصغرؑ

چھبیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ ادب اور ادیب
- سنِ تخلیق ۱۹۹۵ء
- کل بند ۵۵
- مطلع ع شاملِ حلقۂ اربابِ تمنا ہے ادیب
- موضوع ادب اور ادیب کی معاشرتی وقعت اور تذکرۂ دربار شام

ستائیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ حقیقتِ موت
- سنِ تخلیق ۱۹۹۶ء
- کل بند ۵۷
- مطلع ع موت کو ظلم و ستم کی داستاں کہتے ہیں لوگ
- موضوع موت کی حقیقت۔ بی بی سکینہؑ کے مصائب

اٹھائیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ قوم و قومیت
- سنِ تخلیق ۱۹۹۶ء
- کل بند ۶۲
- مطلع ع تعارفِ شرفِ ذات عین فطرت ہے
- موضوع قوم و قومیت کی افادیت۔ امام حسینؑ کی آخری رخصت

انتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — قیادت
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۷ء
- کل بند — ۶۴
- مطلع — ع جس طرف دیکھیے دنیا میں عجب ہلچل ہے
- موضوع — قیادت کی ضرورت۔ امام زین العابدینؑ کا سفر

تیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — احتساب
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۷ء
- کل بند — ۶۰
- مطلع — ع دلِ حیات کا شفاف آئینہ ہے عمل
- موضوع — عمل کی اہمیت۔ حضرت امام حسینؑ کی آخری رخصت

اکتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — احساس
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۹ء
- کل بند — ۵۷
- مطلع — ع احساس ہر حیاتِ بشر کی اساس ہے
- موضوع — حضرت عباسؑ کا احساس اور شہادت

بتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — آئین
- سنِ تخلیق — ۱۹۹۹ء

- کل بند ۵۰
- مطلع ع وقت کے ماتھے پہ صحرائے الم کی دھول ہے
- موضوع دنیا کے آئین کی اہمیت اور رخصتِ امام حسینؑ

تینتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ احتجاج
- سنِ تخلیق ۲۰۰۰ء
- کل بند ۵۲
- مطلع ع متاعِ ذہن بشر ہے وجودِ فکرِ نظر
- موضوع احتجاج کی کیفیت، امام حسینؑ کا احتجاج، جناب سکینہؑ کی زندان شام میں وفات

چونتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ زمانہ
- سنِ تخلیق ۲۰۰۰ء
- کل بند ۵۶
- مطلع ع نمودِ کن کی عطا ہے سفر زمانے کا
- موضوع زمانے کی تخلیق کے محرکات اور رخصت امام حسینؑ

پینتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ ارتقا
- سنِ تخلیق ۲۰۰۱ء
- کل بند ۵۱
- مطلع ع ہر لحظہ حیات پریشاں ہے ان دنوں
- موضوع ارتقا کی تعریف، ب سکینہ کا حسینؑ کی کرنا

چھتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — اعتماد
- سنِ تخلیق — ۲۰۰۱ء
- کل بند — ۵۹
- مطلع — ع شرحِ صدائے کن ہے صدا اعتماد کی
- موضوع — اعتماد کے اثرات' حضرت امام حسینؑ کا اعتماد' جناب عونؑ و محمدؑ کی شہادت

سینتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — ماحول
- سنِ تخلیق — ۲۰۰۳ء
- کل بند — ۵۹
- مطلع — ع ماحول کا اثر جسدِ بحر و بر پہ ہے
- موضوع — امام حسینؑ اور یزید کے ماحول کا تجزیہ' شامِ غریباں کے حالات

اڑتیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — جلوہ سخن
- سنِ تخلیق — ۲۰۰۳ء
- کل بند — ۵۳
- مطلع — ع وجودِ حق جو نہ ہوتا تو ہم کہاں ہوتے
- ۵۔ موضوع — خدا کا ثبوت اور اس کا کرم' جناب سکینہؑ زندانِ شام میں

انتالیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ — جارحیت

- سنِ تخلیق ۲۰۰۳ء
- کل بند ۶۲
- مطلع ع عطائے دستِ مشیت ہے احسنِ تقویم
- موضوع جارحیت سے مراد اور نقصانات۔ شہادت سے قبل امام عالی مقام کی اہلِ خانہ سے ملاقات اور رقت کے مناظر

چالیسواں مرثیہ

- نام مرثیہ جانِ شہادت
- سنِ تخلیق ۲۰۰۴ء
- کل بند ۵۰
- مطلع ع زندگانی کے شب و روز کی پہچان ہے جان
- موضوع انسانی جان کی اہمیت وعظمت۔ شہادت جناب قاسم

سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کی درج بالا پیش کردہ فہرست سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہیں صنفِ مرثیہ سے بے پناہ لگاؤ ہے اور انہوں نے اس صنف کی آبیاری میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں۔ ذیل میں سید وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کے بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں:

۱۔ ناموسِ وفا

''ناموسِ وفا'' نامی مختصر مرثیہ ۱۹۷۳ء میں تخلیق ہو کر ۱۹۷۴ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ مذکورہ مرثیے کے بندوں کی کل تعداد چالیس تھی' لیکن بعد میں پانچ بندوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کتاب ہذا میں ''ناموسِ وفا میری نظر میں'' کے عنوان سے وحید الحسن ہاشمی کا رقم کردہ دیباچہ بھی موجود ہے' جس میں فاضل مصنف نے اس کی ''وجہ تصنیف' مقصدِ تصنیف اور چند گزارشات'' کے عنوان سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔ جدید مرثیہ کے حوالے

سے مذکورہ دیباچہ قابل توجہ ہے اور اڑتالیس صفحات پر مشتمل کتاب ہذا کے ملنے کا پتہ ''۲۵۳۔ الف' رحمٰن پورہ' اچھرہ لاہور' درج کیا گیا ہے۔

''ناموسِ وفا'' نامی مرثیہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ذات سے منسوب ہے۔ تمہید میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہر شے فنا ہو جانے والی ہے لیکن وفا اور اہلِ وفا کو کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ شاعر کے خیال میں اس دنیا کی تمام رونق اور معاشرے کے تمدن و تہذیب کا فروغ وفا کی وجہ سے ممکن ہے۔ شاعر نے وفا کی مختلف کیفیات اور کارناموں کے بیان کرنے کے بعد اپنے اصل موضوع سے رجوع کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وفا بجائے خود دراصل خدا' نبی' اور امامؑ کے جینے کی مظہر ہے۔ اس بنا پر ہر وہ ذات جس نے وفا سے اپنا رشتہ جوڑا ہے' شاعر کے نزدیک قابلِ قدر اور واجب التعظیم ہے۔ اس حوالے سے شاعر نے حضرت زینبؑ کو وفا کی بولتی تصویر قرار دیا ہے۔ معصومہؑ ثانی کی سیرت و کردار کے مختلف محاسن پیش کرنے کے بعد ثانی زہراؑ کے مصائب کا تذکرہ بڑے دل گداز اور حسرت ناک انداز میں کیا ہے۔ اس مرثیے میں وحید الحسن ہاشمی نے خاص طور پر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے ایسے فکری کارنامے بیان کئے ہیں' جن کی طرف شعراء کی توجہ کم رہی ہے۔ شہادتِ حسین علیہ السلام کے بعد مقاصدِ شہادتِ حسینؑ کے اساسی پہلوؤں کی تشہیر جس طرح حضرت زینبؑ نے کی تھی' شاعر نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس مرثیے میں بین کے متوازی ایک فکری و شعوری رو بھی دوڑتی دکھائی دیتی ہے۔ مجموعی طور پر اس مختصر سے مرثیے میں شاعر نے فنی پہلوؤں سے زائد فکری پہلوؤں کی طرف توجہ دی ہے اور یہی اس جدید مرثیے کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اس مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر میمونہ انصاری رقم طراز ہیں:

''.....اس عظیم شخصیت پر ایسا ستھرا مرثیہ لکھنا جناب سید وحید الحسن ہاشمی جیسے فنِ مرثیہ کے رمز شناس ہی کا کام تھا۔ کیا زبان ہے کیا مضمون!! کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے''۔(۴۱)

(۴۱) میمونہ انصاری' ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ ناموسِ وفا)' العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء ص ۴۸

مرثیہ "ناموسِ وفا" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

قدرت کا کائنات میں اک راز ہے وفا
کعبے سے اشتیاق کا آغاز ہے وفا
پیغمبری کی ہمدم و ہم ساز ہے وفا
بنتِ اسدؑ کے شیر کی آواز ہے وفا
منہ میں زباں نہیں ہے مگر بولتی ہے یہ
حد ہے منافقت کا بھرم کھولتی ہے یہ

آتا ہے انقلاب تو اٹھتی ہیں بدلیاں
شمعِ وفا کو لیتی ہیں گھیرے میں آندھیاں
اللہ رے اِک امامِ وفا کی وہ خوبیاں
بٹتی ہیں ظلمتوں کو وفا کی تجلیاں
جس پر معاویہ کے تصرف کی گھات ہے
وہ سلطنت نہیں ہے، وفا کی زکوٰۃ ہے

بنتی نہیں ہے صلح و محبت سے بات جب
جب خونِ بے گناہ کا بہتا ہے بے سبب
بڑھتا ہے جب جفا کے پرستار کا غضب
جب اپنی سروری پہ اکڑتا ہے کم نسب
جوہر شرافتوں کے دکھاتی ہے پھر وفا
مجبور ہو کے تیغ اُٹھاتی ہے پھر وفا

تڑپی کبھی شبیہِ پیمبرؐ کے رُوپ میں
اٹھی کبھی جلالتِ حیدرؑ کے رُوپ میں
چمکی کبھی تبسمِ اصغرؑ کے رُوپ میں
نکلی کبھی حسینؑ کی خواہر کے رُوپ میں
بھائی نہ تھے تو دیں کی نگہدار بن گئی
زینبؑ وفا کی قافلہ سالار بن گئی

زینبؑ کی رہبری سے بڑھا دین کا وقار
زینبؑ کی بیکسی نے کئے ظالموں پہ وار
زینبؑ ضیائے چشمِ امامت کا اعتبار
زینبؑ خزاں کے دور میں آئینۂ بہار
زوجِ عمل ہے عزم کی دنیا کا چین ہے
بعدِ حسینؑ دہر میں زینبؑ حسینؑ ہے

۲۔ خونِ تبسم

"خونِ تبسم" بھی ایک مختصر مرثیہ ہے جو ۱۹۷۴ء میں کہا گیا اور اسی سال طبع ہوا۔

''عرضِ مصنف'' کے عنوان سے وحید الحسن ہاشمی نے اپنے قارئین سے بھی اس مرثیے کے بارے میں مختصراً چند گزارشات کی ہیں' جو مصنف کے نقطۂ نظر کی توضیح و تشریح کے ضمن میں نہایت اہم ہیں۔

یہ مرثیہ کل چھیالیس بندوں اور اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب ہٰذا پر اشاعت کے سلسلے کی معلومات (ضابطہ) درج نہیں نیز اس کے آخر میں مصنف کی دیگر تصانیف کی ایک فہرست دی گئی ہے۔

''خونِ تبسم'' شہادت حضرت علی اصغرؑ کے حال میں کہا گیا مرثیہ ہے۔ اس میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ محبت کی روشنی سارے عالم پر محیط ہے اور ہر شے میں اس کی جلوہ گری دیکھی جا سکتی ہے۔ محبت کی ارفع شکل اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق کا قائم ہونا ہے۔ شاعر نے اپنے اصل مقصد کی طرف گریز کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے تاہم اس نے اپنے خاص بندوں سے محبت کرنے کا حکم دے کر اپنی محبت کا ایک وسیلہ فراہم کر دیا ہے۔ شاعر کے خیال میں یہ خاص بندے حضرت محمدؐ اور آلِ محمدؐ ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں' جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے تحفظ کے لئے ہمہ وقت قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے ننھی سی جان کی سب سے بڑی قربانی کو موضوع بنایا ہے۔ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کا حضرت علی اصغرؑ کو لے کر جانا اور وہاں ظہور میں آنے والے واقعات کو شاعر نے جدید شعری علامات و اشارات کی صورت میں جس طرح پیش کیا ہے' وہ قابلِ صد ہزار تحسین ہے۔ پورے مرثیے میں ایک فکری ربط اور تسلسل ملتا ہے جو اس مرثیے کی کامیابی کی بیّن دلیل ہے۔

اس مرثیے کے بارے میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا رقم طراز ہیں:

''...... جدید مرثیے میں جدت و انفرادیت کے ایسے ایسے نمونے مل جاتے ہیں جو عجب نہیں کہ اس فن کے قدیم اساتذہ کے لیے بھی باعثِ رشک

ہوں۔ جدید مرثیے میں جناب وحید الحسن ہاشمی کا نام بعض دوسرے مرثیہ نگاروں سمیت عزت و احترام کا مستحق ہے۔ جناب ہاشمی کے مرثیوں میں کلاسیکی مرثیے کی پختگی کے ساتھ ساتھ جدت فن بھی موجود ہے۔ ان کا مختصر مرثیہ ''خونِ تبسم'' جناب علی اصغرؑ شہید کربلا کی شہادت پر لکھا گیا ہے۔ اس مرثیے میں وہی خلوص، کلاسیکی پختگی، روانی اور سلاست جلوہ گر ہے جو جدید مرثیے کی مقبولیت کا سبب بن چکی ہے''۔ (۲۲)

مرثیہ ''**خونِ تبسم**'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

دریائے معرفت کی روانی ہیں اہلِ بیت　　دنیا اگر ہے آگ تو پانی ہیں اہلِ بیت
بھرپور مصطفیٰؐ کی جوانی ہیں اہلِ بیت　　اک عالمی سماج کے بانی ہیں اہلِ بیت

کعبہ صفت مرقعِ اہلِ نظر بنے
سمٹے یہ کائنات تو زہراؑ کا گھر بنے

سازِ ازل کی زمزمہ خوانی ہیں اہلِ بیتؑ　　جو ختم ہی نہ ہو وہ کہانی ہیں اہلِ بیتؑ
پیغمبرؐ خدا کی نشانی ہیں اہلِ بیتؑ　　قرآن مصطفیٰؐ ہیں، معانی ہیں اہلِ بیتؑ

یہ رازدارِ وحیِ رسالت مآبؐ ہیں
یہ حاملِ کتاب نہیں خود کتاب ہیں

تہذیبِ حریت کا فسانہ ہیں اہلِ بیتؑ　　آزادیٔ بشر کا ترانہ ہیں اہلِ بیتؑ
زلفِ روحیات کا شانہ ہیں اہلِ بیتؑ　　جس میں تھکن نہیں وہ زمانہ ہیں اہلِ بیتؑ

مقدور چھین لیں نگہِ کائنات کا
چاہیں تو یہ بدل دیں مقدر حیات کا

---

(۲۲) محمد زکریا خواجہ، ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ خونِ تبسم) العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۶۲

قانونِ ارتقائے محبت ہیں اہلِ بیتؑ سینے میں دل ہے دل کی حرارت ہیں اہلِ بیتؑ
انسان کے لبوں کی مسرت ہیں اہلِ بیتؑ ہر دور کے بشر کی ضرورت ہیں اہلِ بیتؑ
مخلوق پر عذاب کی صورت نہ آئے گی
جب تک زمیں پہ یہ ہیں قیامت نہ آئے گی
تخلیق کردگار کا حاصل ہیں اہلِ بیتؑ ہر جادۂ حیات کی منزل ہیں اہلِ بیتؑ
ناقص بشر کا ذہن ہے کامل ہیں اہلِ بیتؑ یہ کائنات دل ہے رگِ دل ہیں اہلِ بیتؑ
خلاقِ دو جہاں کے ہنر کا کمال ہیں
ذاتِ خدا کے بعد یہی لازوال ہیں

۳۔ شب عاشور

''شبِ عاشور'' مختصر مرثیہ ہے جو ۱۹۷۴ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۷۵ء میں طبع ہوا۔ ''اپنی زبان میں'' کے عنوان سے وحید الحسن ہاشمی نے دیباچے میں مختصر مرثیے کے فن کے بارے میں شواہد کے ساتھ چند تاریخی باتیں بیان کی ہیں اور زیرِ نظر مرثیے کے بارے میں بعض اہم نکات پیش کئے ہیں۔ یہ مرثیہ چالیس بندوں پر مشتمل ہے۔ نامی پریس لاہور سے مذکورہ مرثیہ پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوا۔ کتاب کے آخر میں مصنف کی دیگر تصانیف کی ایک فہرست بھی فراہم کی گئی ہے۔

''شبِ عاشور'' اردو مرثیے کی تاریخ میں غالباً عاشور کی شب کے موضوع پر لکھا جانے والا بہترین مرثیہ ہے۔ اس سے قبل شبِ عاشور کی فضیلت اور عظمت پر جدید مرثیہ نگاروں نے جستہ جستہ اشارے ضرور کئے ہیں' تاہم اس موضوع پر مبسوط اور مکمل مرثیہ راقم الحروف کی نظر سے اب تک نہیں گزرا۔ اس مرثیہ کے آغاز میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ انسان کائنات میں خالقِ دو جہان کا کمال اور احسن تقویم ہے لہٰذا تخلیقِ کائنات کے لئے وہی موجبِ افتخار ہے۔ شاعر نے ابتداً انسان کی فضیلت اور برتری آشکار کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اعلیٰ تر اقدار کا حامل وہی شخص ہو سکتا ہے' جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے احکامات کی عمر بھر بجا آوری کرتا رہے اور ذاتی مفادات کو احکامات الٰہی کے سامنے پس پشت ڈال دے۔ اس حوالے سے شاعر نے خدا اور رسولؐ کے دین کو بچانے' اللہ کی حاکمیت اعلیٰ قائم کرنے اور انسان پر انسان کی حاکمیت کو رد کرنے کی خاطر صحرا میں جان دینے والے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ آخر میں شاعر نے شب عاشور کی فضیلت' اہمیت اور اثرات کے حوالے سے بعض اہم نکات پیش کئے ہیں شاعر کے نزدیک شب عاشور دراصل التفات خداوندی کی امین ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقائے کار نے یہ رات محض عبادت خداوندی ہی میں بسر نہیں کی بلکہ عبودیت کی سنہری تاریخ بھی رقم کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاعر نے اس رات کو شب قدر کی آبرو قرار دیا ہے۔ آخر میں شاعر نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زبان سے المناک کلمات ادا کئے ہیں۔ اس مرثیے کی آخری بیت میں شاعر نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی ہے۔

ٹوٹے دلوں کو آس کا مرہم نہ دے سکی
یہ رات چند پھولوں کو شبنم نہ دے سکی

سید وحید الحسن ہاشمی کے اس مرثیے کی ناقدین نے بے حد مدح سرائی کی ہے۔ ضمیر اختر نقوی نے اسے قابل توجہ مرثیہ قرار دیا ہے۔ (۲۳) اس مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی رقمطراز ہیں:

"......شب عاشور ایک منفرد مرثیہ ہے۔ جہاں ایک طرف دل کی گہرائیوں میں محبتوں کے چراغ روشن کرتا ہے تو دوسری طرف شعور کو ایسی روشنی عطا کرتا ہے کہ قاری جذبات سے نکل کر حقیقتوں کی دنیا میں آ جاتا ہے۔" (۲۴)

مرثیہ **"شب عاشور"** کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

---

(۲۳) ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں' کراچی: سید اینڈ سید' ۱۹۸۲ء' ص ۴۷۶

(۲۴) سرفراز حسین قاضی' ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ شب عاشور) "العطش (جلد اول)" لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص ۷۵

یہ رات اہلِ بیتؑ کی حکمت کا انتخاب　　قرآں صفت، عمل کی مدوّن ہوئی کتاب
دنیا کے ہر سوال کا لکھا گیا جواب　　معلوم ہو گیا شبِ عاشور کا خطاب
شوقِ دُعا نہ ذوقِ عبادت سے پوچھیے
اس رات کا سکوں شبِ ہجرت سے پوچھیے

سجدوں کے ذوق و شوق کی تکمیل ہے یہ رات　　معراجِ ذکر و فکر کی قندیل ہے یہ رات
قرآن ہے، زبور ہے، انجیل ہے یہ رات　　اک مطمئن دماغ کی تخیئل ہے یہ رات
نورِ بقا ہے شمس کی ضو بدر کے لئے
یہ رات آبرو ہے شبِ قدر کے لئے

یہ رات صبحِ اہلِ نظر عبد کا سرور　　یہ رات زاہدوں کا شرف زہد کا شعور
یہ رات خیمۂ ابدی دین کا غرور　　یہ رات اس جہاں کی سحر، عاقبت کا نور
خوشنودیٔ خدا کے قبالے اسی میں ہیں
عاشور کی سحر کے اُجالے اسی میں ہیں

یہ رات آبروئے وفا حریت کی لاج　　یہ رات ہے زمیں پہ مگر آسماں مزاج
تہذیبِ آشتی نے اسی کو دیا خراج　　سجدے ہوئے اسی میں بہ عنوانِ احتجاج
تا روزِ حشر غالبِ ماضی و حال ہے
اس رات کی جبیں میں حسینی جمال ہے

آئی اسی سے چہرۂ طاعت پہ آب و تاب　　بخشی اسی نے ہمت و ایثار کی کتاب
چمکا اسی میں صبر و قناعت کا ماہتاب　　اب تک لئے ہوئے ہے شہادت کا آفتاب
یہ رات اب ہے بنتِ نبیؐ کی دعاؤں میں
زندہ رہے گی چادرِ زینبؑ کی چھاؤں میں

۴۔ خُلقِ حسنؑ

"خلقِ حسنؑ" نامی مرثیہ ۱۹۷۶ء میں ضیغم اسلام اکیڈمی حسن آباد لاہور کی جانب

سے ''تصویرِ حسنؑ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر عسکری بن احمد نے اس کتاب میں ذکرِ حسنؑ کے نام سے علامہ ضیغم اسلام کا ایک مضمون اور شبیہِ خُلقِ عظیم کے عنوان سے اپنے معروضات بھی شامل کیے ہیں۔ چونسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مرثیے کے بندوں کی کل تعداد بیالیس ہے۔ بعد میں یہی مرثیہ مزید نو بندوں کے اضافے کے ساتھ پیش کیا گیا۔

''خلقِ حسنؑ'' میں شاعر نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت و کردار کو موضوع بنایا ہے۔ خاص طور پر شاعر نے حضرت امام حسنؑ کے اخلاقِ حسنہ کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے۔ مرثیے کے آغاز میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اخلاق کی حدود میں تمام کائنات سما جاتی ہے۔ اس کے بعد شاعر نے اخلاق کی مختلف جہتوں اور پرتوں کو آشکار کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ کو خلقِ عظیم قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے خاص طور پر حضرت امام حسنؑ کو حضور اکرمؐ کے اخلاقِ عظیم کا ایک پرتو قرار دیا ہے اس کے بعد شاعر نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان کے جملہ محاسن جدید شعری تلازمات کے ساتھ پیش کر دیے ہیں۔ خاص طور پر شاعر نے حضرت امام حسنؑ کی صلح کو تتمۂ صلحِ رسول قرار دیا ہے۔ اس مرثیے میں شاعر نے حضرت امام حسنؑ کے طرزِ عمل کے حوالے سے بعض اعتراضات کا بھی جائزہ لیا ہے تاہم اس مرثیے کی خوبی یہ ہے کہ معترضین کے اعتراضات بڑی نفاست اور شائستگی سے عقلی استدلال کی سطح پر رد کیے گئے ہیں۔ اس مرثیے سے مجموعی طور پر شاعر کی فکری و فنی پختگی جھلکتی ہے۔

اس مرثیے کے حوالے سے پروفیسر سید سجاد رضوی رقم طراز ہیں:

> ''.....حضرت امام حسن علیہ السلام کی شخصیت، سیرت، کردار، فضائل، عمل اور مظلومی کے بارے میں اردو میں کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا اور اردو مرثیے میں تقریباً میدان خالی ہے.....اس اعتبار سے وحید الحسن ہاشمی نے ایک اچھی

روایت کا آغاز کیا ہے کہ انہوں نے پورا مرثیہ حضرت امام حسنؑ کے بارے میں قلمبند فرمایا ہے اور ''مختصر مرثیہ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام حسنؑ کے خلق اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا نہایت مناسب طریقے سے تعارف کروایا گیا ہے۔'' (۴۵)

مرثیہ ''**خُلقِ حسن**'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

قندیلِ بُوترابؑ کی تنویر ہیں حسنؑ   پیغمبرؐ حیات کی تصویر ہیں حسنؑ
زہراؑ دُعائے نور ہیں تاثیر ہیں حسنؑ   خُلقِ عظیم خواب ہے تعبیر ہیں حسنؑ
محرابِ غرب و شرق میں جلوہ حسنؑ کا ہے
اسلام جی رہا ہے، یہ صدقہ حسنؑ کا ہے

شیرِ خدا کی طرح سرافراز ہیں حسنؑ   ہر صاحبِ ضمیر کی آواز ہیں حسنؑ
ہر اِک نبیؐ کے نطق کا اعجاز ہیں حسنؑ   جو راز ہیں رسولؐ وہی راز ہیں حسنؑ
حق کے نبیؐ کی طرح یہ قدسی صفات ہیں
شکلِ بشر میں معجزۂ کائنات ہیں

بالیدگیٔ زہد و شرف کا شباب ہیں   یہ بولتی جمالِ خدا کی کتاب ہیں
باطل کے وسوسوں کا مکمل جواب ہیں   قرآں بقدرِ ابنِ رسالت مآبؐ ہیں
شیرِ خدا کا نازؑ تمنا بتولؑ کی
یہ خود نہیں رسولؐ نظر ہیں رسولؐ کی

اللہ کے نبیؐ کا چلن ہے حسنؑ کا نام   خوشنودیٔ خدائے زمن ہے حسنؑ کا نام
قرآن کا کمالِ سخن ہے حسنؑ کا نام   ایماں بکفِ حدیثِ حسنؑ ہے حسنؑ کا نام
دنیا کی ان کے سامنے کیا آب و تاب ہے
نانا رسولِ پاکؐ پدر بوترابؑ ہے

---

(۴۵) سید سجاد رضوی (رائے۔ مرثیہ خلقِ حسنؑ) ''العطش (جلد اول)'' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۹۰

ان کے قدم کی خاک ستاروں کی جلوہ گاہ ان کی نظر سے پست ہے کونین کی نگاہ
یہ عرشِ کبریا کے مسافر ازل کی راہ بحرِ کرم کو ان کے کرم کی ملے نہ تھاہ
تقدیر ہیں خدائے دو عالم کے دین کی
یہ زندگی ہیں رحمت للعالمینؐ کی

۵۔ حسینؑ اور قربانی

''حسینؑ اور قربانی'' کے عنوان سے جو مختصر مرثیہ اس وقت پیشِ نظر ہے اسے حلقۂ شعرائے اہلِ بیتؑ پاکستان کے تعاون سے ۱۹۷۷ء میں طبع کرایا گیا ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ پروفیسر محمد اشرف نے تحریر کیا ہے' جس میں انہوں نے وحیدالحسن ہاشمی کے فکروفن پر روشنی ڈالی ہے۔ نامی پریس لاہور سے شائع شدہ اس کتاب کے کل صفحات چھپن ہیں جب کہ مرثیہ ہذا پچاس بندوں پر مشتمل ہے۔

''حسینؑ اور قربانی'' نامی مرثیے میں شاعر نے عصرِ حاضر کے بعض اہم اور قابلِ توجہ مسائل پیش کیے ہیں۔ شاعر کا خیال ہے کہ موجودہ زمانے کا ''آدمی'' مختلف اسباب کی بناء پر وہم وگماں کے دشت میں حیران و پریشان کھڑا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس میں منافقت در آئی ہے اور اب وہ دین کا رہا ہے' نہ دنیا کا۔ اس کے مدمقابل شاعر نے کچھ ایسے نفوس کا بھی تذکرہ کیا ہے' جو خدا کے حقیقی شیدائی اور پرستار ہیں اور اس کے دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار بیٹھے ہیں۔ شاعر کے نزدیک اہلِ بیتِ رسولؐ ہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں' جو اصل میں قربانیوں کا حُسن مجسم ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اگرچہ دینِ حق کی خاطر قربانیاں دینے والوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے تاہم جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں بے سروسامانی کے عالم میں اپنی قربانیوں کے نذرانے پیش کیے ہیں' اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ مرثیے کے آخر میں شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی عدیم المثال قربانی یعنی شہادتِ علی اصغرؑ کو موضوع بنایا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کا دینِ حق کی خاطر پیش کیا جانے والا معصوم اور شیرخوار بچے کا یہ نذرانہ آج بھی اہلِ

درد کی آنکھوں کو پرنم کرنے کا موجب بنتا ہے۔ خاص طور پر مرثیے کے آخری چندرہ بند اپنے اندر درد والم کی ایک ایسی دنیا لئے ہوئے ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد بڑے سے بڑا سنگدل انسان بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاعر نے اسی مرثیے میں انسانی سائیکی کو ملحوظ رکھ کر بڑے سلیقے سے کام لے کر حزنیہ ماحول پیدا کیا ہے۔ مجموعی طور پر اس مرثیے کو ہم "آشوبِ عصر" بھی قرار دے سکتے ہیں۔

اس مرثیے کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی رقمطراز ہیں:

"...... حسین اور قربانی ایک ایسی عظیم الشان رثائی تخلیق ہے جو ہر عہد کی طرح عہدِ گزراں کے آدمی کے سامنے مشعلِ ہدایت روشن کرتی ہے اور اس کے فکر وعمل کا قبلہ درست کرتی ہے۔ میں اسے سید وحید الحسن ہاشمی کا "منظوم منشورِ حیات" قرار دیتا ہوں۔" (۳۶)

مرثیہ "**حسینؑ اور قربانی**" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

صحرا میں دھوپ دھوپ کے صحرا میں اک گلاب وہ گرم گرم ریت وہ جان و دلِ رباب
پہنچا بنا ہوا تھا علیؑ کا ابوترابؑ تھا دیدنی زمیں کے مقدر کا آفتاب
کیا کیا گزر رہی تھی دلِ ما وطین پہ
ڈر تھا کہ آفتاب نہ اُترے زمین پہ

تنہا نے امتحانِ وفا کے محاذ پہ شبیرؑ کی پسر کے ارادوں پہ تھی نظر
کمسن پسر کا تول رہے تھے دل و جگر ہموار کر رہے تھے شہادت کی رہ گزر
دنیا کو رنگِ عدل میں حیران کردیا
اصغرؑ کو اور دین کو میزان کردیا

---

(۳۶) عاصی کرنالی ڈاکٹر (رائے۔مرثیہ حسینؑ اور قربانی) "العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء ص ۱۲۰

کچھ سوچ کر پسر کو اٹھایا حسینؑ نے
منہ چوم کر گلے سے لگایا حسینؑ نے
بچے کو رازِ فتح بتایا حسینؑ نے
اصغرؑ کو شہ سوار بنایا حسینؑ نے
یہ فکر سب کہیں کہ قیامت کا ڈھنگ ہے
اصغرؑ کی یہ وغا نہیں اکبرؑ کی جنگ ہے

اصغرؑ پدر کی صدق بیانی سمجھ گئے
الفاظِ بے صدا کے معانی سمجھ گئے
پیچے ہیں کیسے تیغ کا پانی سمجھ گئے
لائے ہیں کیوں حسینؑ کہانی سمجھ گئے
شیرِ خدا کے زور کا منظر دکھا دیا
خیبر رگِ گلو پہ اٹھا کر دکھا دیا

تیرِ اجل سے جذبۂ اصغرؑ نہ چھپ سکا
رنگِ مزاجِ سورۂ کوثر نہ چھپ سکا
گردِ خزاں سے حُسنِ گلِ تر نہ چھپ سکا
ہارا یزید مقصدِ سرورؑ نہ چھپ سکا
ناوک چلا جو دشت میں کمسن شہیدؑ پر
جا کر لگا دمشق میں قلبِ یزید پر

۲۔ زندگی

''زندگی'' کے عنوان سے یہ مختصر مرثیہ ۱۹۷۸ء میں حلقۂ مصنفین پاکستان لاہور نے حلقۂ شعرائے اہلِ بیتؑ کے تعاون سے شائع کیا۔ اس مرثیے کے آغاز میں وحید الحسن ہاشمی نے جدید مرثیے کے لوازمات اور تقاضوں کے حوالے سے چند نکات پیش کیے ہیں، جو اپنے طور پر بعض فکری مباحث قائم کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ یہ مرثیہ چھپن بندوں پر مشتمل ہے۔ نامی پریس لاہور سے شائع شدہ مرثیہ پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوا اور اس پر ملنے کا پتہ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ انار کلی لاہور درج ہے۔

''زندگی'' نامی مرثیہ حضرت امام حسینؑ کے لختِ جگر، شبیہِ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے حوالے سے تخلیق ہوا۔ اس مرثیے میں شاعر نے ابتدا زندگی کے مختلف رنگ روپ پیش کیے۔ شاعر کا موقف ہے کہ زندگی جمالِ کل کا مظہر ہے۔ شاعر نے زندگی کے آغاز و

ارتقاء کو مختلف تشبیہات' استعارات اور تلمیحات سے اُجاگر کیا ہے۔ شاعر نے مختلف انبیاء کرامؑ کی متنوع شخصیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت خوبصورت طریقے سے زندگی کے سفر کو پیش کیا ہے۔ شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے شروع ہونے والی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیکر میں نقطہ کمال کو پہنچی۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد آمریت اور استعمار کے شیش ناگ اس زندگی کو ڈسنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ اس صورت حال میں زندگی کو بے یار و مددگار دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام محافظِ حیات کے رُوپ میں سامنے آئے' بقول شاعر ؎

مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو
اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

حضرت امام حسین علیہ السلام نے زندگی کی اس پکار پر لبیک کہا اور اپنے جوان بیٹے حضرت علی اکبرؑ کی سمت دیکھ کر کہا کہ

ع "سائل کو آج اپنی جوانی عطا کرو"

اس کے بعد شاعر نے حضرت علی اکبرؑ کی شخصیت اور کردار کے مختلف محاسن بیان کئے ہیں۔ مرثیے کے آخر میں شاعر نے واقعہ شہادت علی اکبرؑ کو نہایت دل گداز انداز میں پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک وقیع مرثیہ ہے۔ اس کا سب سے نمایاں وصف اس کا اسلوب ہے' جس میں روانی اور تسلسل ہے۔ شاعر نے پورے مرثیے میں ایک فکری تسلسل قائم رکھنے کی جو شعوری کوشش کی ہے' وہی اس کا حُسن ہے۔ یہی سبب ہے کہ پورے مرثیے میں پہلے بند سے لے کر آخری بند تک فکر و فن کی دلکش ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔

اس مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر خیال امروہوی رقم طراز ہیں:

"...... وحید الحسن ہاشمی صاحب کا مرثیہ اس اعتبار سے واقعاً لائق مطالعہ ہے کہ اس میں روایت کے ساتھ جذب و وجدان کو دخل ہے۔ زبان کی سلاست اور روانی' قافیوں کی برجستگی اور واقعۂ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ جیسے عظیم

جواں مرد کی کردار نگاری میں موصوف نے فکری اور لسانی خوب خوب جوہر
دکھائے ہیں اس مرثیے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نیا پن پایا جاتا
ہے۔"(۲۷)

مرثیہ "زندگی" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

اب پیکرِ یزید میں اُبھرا غرورِ شام   اب ظلمتوں کے سنگ تھے اور زندگی کا جام
بولا غبار چاہیے سورج سے انتقام   اب کربلا کا دشت تھا اور وقت کا امام
مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو
اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

اب دامنِ حسینؑ تھا اور ساری کائنات   صدیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی بس ایک ذات
محدود ایک دل میں ہوا مرکزِ حیات   اب دیکھنا تھا کون رکھے گا خدا کی بات
محنت گھل رہی تھی رسالت مآبؐ کی
اسلام بھیک مانگ رہا تھا شباب کی

اکبرؑ کی سمت دیکھ کے کہنے لگے حسینؑ   اسلام کا سوال سُنا، میرے نورِ عین
اے لال تم ہو باغِ رسالت کی زیب وزین   تم ہی اسے جواب دو زینبؑ کے دل کے چین
قرآں جسے پڑھے وہ کہانی عطا کرو
سائل کو آج اپنی جوانی عطا کرو

اکبرؑ اُٹھے تو جھوم گیا باغِ زندگی   اسلام نے رسول کی تصویر چوم لی
نیتین کے خطاب نے یہ داستاں کہی   اس چاند پر فدا مہِ کنعاں کی روشنی
یوسف رہے عزیزِ دلِ پاک باز میں
اکبرؑ کا نام ہو گیا شامل نماز میں

---

(۲۷) خیال امروہوی ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ زندگی) العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز،

ماتھے کا نور سیّدِؑ ابرار کی طرح آنکھیں نبیؐ کے دیدۂ انوار کی طرح
رفتار بھی رسولؐ کی رفتار کی طرح پیکر تمام احمدِؐ مختار کی طرح
حیدِؑ خدا کا سرو سہی قد ہے دوسرا
صورت بتا رہی تھی محمدؐ ہے دوسرا

۷۔ صبر

''صبر'' نامی مرثیہ ۱۹۷۹ء میں کہا گیا اور حلقۂ اُردو مصنّفین پاکستان لاہور نے حلقۂ شعرائے اہل بیت کے تعاون سے ۱۹۸۱ء میں لاہور سے پانچ سو کی تعداد میں شائع کیا۔ چونسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی ابتداء میں ''مرثیہ اور روایت'' کے عنوان سے مصنف وحید الحسن ہاشمی نے ایک مبسوط دیباچہ تحریر کیا ہے' جس میں عصرِ حاضر اور جدید مرثیے کی ضرورت اور تقاضے کے موضوع پر بعض اہم نکات پیش کیے گئے ہیں۔ اس مرثیے کے بندوں کی کل تعداد چھپن ہے۔

''صبر'' نامی مرثیے میں شاعر نے صبر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر نے ابتداء میں یہ نظریہ وضع کیا ہے کہ صبر مسیحائے جہاں ہے' لہٰذا اسے گردشِ دوراں کا کوئی خوف یا ڈر نہیں ہوتا۔ شاعر نے صبر کو اوصاف انبیاً سے منسلک قرار دیا ہے۔ شاعر کے نزدیک صبر بے شمار لذتیں رکھتا ہے' تاہم کم ظرف اصحاب صبر کی دولت سے تہی اور اس کی اہمیت سے عمر بھر ناآشنا رہتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ انبیاء کرامؑ نے اپنی زندگی کے کٹھن لمحات صبر کی بدولت کاٹے ہیں۔ شاعر کے خیال میں صبر کی اصل اور کامل منزل واسِن ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حضورؐ کے زمانے ہی سے ''شر'' نے صبر و خیر کے نظام کو تہہ و بالا کرنے کی سازشیں شروع کر دی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ نے ایک صابر کی حیثیت سے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں' شاعر نے بڑی مہارت سے انہیں مرثیے کا حصہ بنایا ہے۔ آخر میں شاعر نے میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے صبر کی قوت کے مختلف کارنامے پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد صبر کے ایک اہم نمائندے کے

طور پر شاعر نے سید سجاد حضرت امام زین العابدینؑ کے مصائب پیش کئے ہیں۔ مجموعی طور پر اس مرثیے میں شاعر نے موضوع کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ پورے مرثیے میں ربط اور تسلسل دکھائی دیتا ہے۔

اس مرثیے کے حوالے سے پروفیسر عتیق احمد رقمطراز ہیں:

"...... جناب وحید الحسن ہاشمی بھی اس صف کے مرثیہ گو ہیں اور ان کی مرثیہ گوئی کا وصف بھاری بھرکم اور گونج دار الفاظ سے کڑک پیدا کرنے میں نہیں بلکہ سہل اور روزمرہ کی لکھت پڑھت کے الفاظ ہی کو برتنا ہے یہ ذرا مشکل فن ہے۔ اس لیے کہ جب الفاظ نہ گونج رہے ہوں تو جذبے کی گونج قاری کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ ہاشمی صاحب کے یہاں فن کا کمال یہی ہے کہ وہ کاغذ پر اپنے اسی سچے جذبے کی تپش میں اپنے قاری کے دل و دماغ کو گرماتے چلے جاتے ہیں۔" (۲۸)

مرثیہ "صبر" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

کون کہتا ہے حدِ صبر میں گریہ ہے فرار ۔۔۔ زندہ آنکھوں میں ہے احساس کے پانی سے نکھار
سرد آہیں تو ہیں مظلوم کی خاموش پکار ۔۔۔ جو عزادار نہیں، اس کی نظر ہے بیمار
حق تو یہ ہے کہ جسے ظلم نہاں کرتا ہے
صبر اشکوں سے وہ روداد بیاں کرتا ہے

جوششِ گریہ نہیں صبر کی فطرت کے خلاف ۔۔۔ دل بھر آئے تو نہ رونا ہے طبیعت کے خلاف
بندشِ اشک ہے انسان کی عادت کے خلاف ۔۔۔ ایسی حُجت تو سراسر ہے نبوت کے خلاف
غم نے فطرت کو رُلایا ہے کبھی روئے ہیں
صبر کی حد میں اولوالعزم نبیؑ روئے ہیں

---

(۲۸) عتیق احمد، پروفیسر (رائے۔ مرثیہ صبر)، العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء

لذتیں صبر کی کم ظرف بھلا کیا جانے　　کم نظر حُسنِ حقیقت کو کہاں پہچانے
ہوش کی بات بھی کرتے ہیں کہیں دیوانے　　عظمتیں کعبے کی پا سکتے نہیں بُت خانے
کس طرح دل کی کسک خوش طبعی کہلائے
غیر ممکن ہے کہ بوجہل نبیؐ کہلائے

دولتِ صبر سے ہو جائے جو ملّت محروم　　اس کی قسمت میں کہاں فکر کے تابندہ نجوم
اس کا احساس فنا اس کی قیادت معدوم　　ایک معنی میں کہا جاتا ہے اس کو مرحوم
قوم بے صبر سہاروں پہ گزر کرتی ہے
غیر کے پاؤں سے خود اپنا سفر کرتی ہے

صبر سے دُور ہو ملت تو وہ ملت کیا ہے　　جوشِ بیہوش کی دنیا میں حقیقت کیا ہے
شب میں گہنائے ہوئے چاند کی وقعت کیا ہے　　خود جو محتاج نظر ہو وہ بصیرت کیا ہے
دن یہ بے صبریٔ ہمت بھی دکھلاتی ہے
کوئی رستہ نہیں اور قوم چلی جاتی ہے

۸۔ سفیرِ آلِ محمدؐ

''سفیرِ آلِ محمدؐ'' نامی مرثیہ ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۸۱ء میں سید مظہر عباس نے اپنے برادرِ خورد سید ناصر عباس مرحوم کے چہلم کے موقع پر شائع کرایا۔ ابتدائی صفحات میں ناصر عباس مرحوم کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ مرثیہ انجتر بندوں پر مشتمل ہے۔ مرثیے سے قبل وحید الحسن ہاشمی کا ایک قطعہ ''بر وفات سید ناصر عباس مرحوم'' بھی شامل کیا گیا ہے۔ چالیس صفحات پر مشتمل اس کتاب پر ایس۔ ایم۔ عباس اینڈ سنز نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ کا پتہ درج ہے۔

''سفیرِ آلِ محمدؐ'' نامی مرثیے میں شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سفیر حضرت مسلم بن عقیلؑ کے فضائل و مصائب بیان کئے ہیں۔ ابتداء میں شاعر نے سفیر کو ذہنِ وطن کا آئینہ بردار قرار دیا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ سفارت کا منصب کوئی معمولی حیثیت نہیں

رکھتا ہے بلکہ یہ منصب جلیل ایک نعمتِ خدا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ خالق کائنات نے اس دنیا میں اپنے بے شمار سفیر بھیجے جنہوں نے اپنے کردار اور اعمال سے قلب انسانی کو خیر کی جانب موڑنے کی کوشش کی۔ سفیر آتے رہے اور حق کا یہ سفر جاری رہا' یہاں تک کہ عہدۂ سفارت حضرت عمرانؑ کے سپرد ہوا۔ آپ نے اس منصب جلیل کو وقار عطا کیا۔ انہوں نے ہر اس رویے اور طرزِ عمل کی بیخ کنی کی جو دین اسلام کے لئے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔ شاعر نے گریز کرتے ہوئے حضرت مسلم بن عقیلؑ کو حضرت عمرانؑ کا نمائندہ خاص قرار دیا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کی مدح وستائش کی ہے۔ ان کے آباؤ اجداد کے کارنامے بیان کئے ہیں اور ان کے سوانح حیات شاعرانہ پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد شاعر نے مسلمؑ ذی جاہ کے سفیر حضرت امام حسینؑ کی حیثیت سے کوفے روانہ ہونے کا منظر نہایت دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ کوفے میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کے کارناموں اور دشمنوں کی سازشوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور آخر میں ان کی ولولہ انگیز شہادت کو انتہائی دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ ایک ندرت رکھتا ہے کہ شاعر نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کے کردار کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کر کے پورے مرثیے کا تانا بانا بنا ہے۔ اس مرثیے کے بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی رقم طراز ہیں:

> "...... حضرت مسلم بن عقیلؑ کو سید وحید الحسن ہاشمی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سفیر کہا ہے۔ پھر انہیں حسینؑ کے وکیل کا خطاب دیا ہے۔ ان دونوں القاب میں پوری تاریخ سمٹ آئی ہے۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ کو اتنا بڑا خراج تحسین شاید ہی اس سے پہلے پیش کیا گیا ہو۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ کے لیے سید وحید الحسن ہاشمی کے اشعار قصیدہ بھی ہیں اور مرثیہ بھی۔ (۲۹)"

---

(۲۹) محمد اجمل نیازی' ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ سفیر آل محمدؐ) العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء ص ۱۵۶

مرثیہ "سفیرِ آلِ محمدؐ" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

ابنِ ابوترابؑ نمائندۂ خلیل کرنے لگا ہدایتِ کونین کی سبیل
اپنا بنا کے مسلمؑ ذی جاہ کو وکیل کہنے لگا کہ اے گہرِ معدنِ عقیل
جاؤ کہ تم بھی لشکرِ دیں کا نشان ہو
کوفے کی ہر گلی میں خدا کی اذان ہو

مسلمؑ چلے، سفیر چلا، داستاں چلی باطل کی سمت حق کی متاعِ گراں چلی
سُوئے فساد رحمتِ امن و اماں چلی گوشِ ریا نیوش کی جانب اذاں چلی
فردِ قبیلۂ بنی ہاشم کو دیکھ لو
اسلام دیکھنا ہو تو مسلمؑ کو دیکھ لو

مسلمؑ کے ساتھ ساتھ حسینؑ نظر چلی لپٹی ہوئی رکاب سے فتح و ظفر چلی
پیچھے قضا ٹھہر گئی آگے قدر چلی بچوں سے کھیلنے کو نسیمِ سحر چلی
زینِ فرس پہ آئے بڑے اہتمام سے
رفعت ملی سفر کو سفیرِ امام سے

حکمِ امامؑ سے وہ سفارت کی جاں چلا گویا مہ و نجوم لئے آسماں چلا
شاہاں صفت غلامِ شہِ انس و جاں چلا مسلمؑ چلے کہ فکر کا اک کارواں چلا
سمجھے تھے سب عقیلؑ کا یہ نورِ عین ہے
جبریلؑ کہہ رہے تھے سفیرِ حسینؑ ہے

چلتا رہا یہ قافلۂ شوق صبح و شام دل میں نبیؐ کی یاد زباں پر خدا کا نام
ہر سانس میں علیؑ کی ولایت کا احترام گویا تخیلات میں تھا مقصدِ امامؑ
مسلمؑ پہ تو اطاعتِ حق فرضِ عین ہے
عرفانؔ کے لہو کا محافظ حسینؑ ہے

۹۔ ملیکتہ العربؑ

"ملیکۃ العرب" نامی مرثیہ ۱۹۸۲ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۸۳ء میں حلقہ شعرائے اہلِ بیت پاکستان کے تعاون سے کتابی صورت میں سامنے آیا۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے سید وحید الحسن ہاشمی کے شخصی تعارف کے بعد ان کے مطبوعہ تخلیقات کی طرف توجہ دلائی ہے اور آخر میں اس مرثیے کے فکری اور فنی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مرثیہ کل اکسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ بہتر صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ہدیہ "دعائے خیر" ہے۔

"ملیکۃ العرب" نامی مرثیے میں شاعر نے زوجۂ رسولؐ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی سوانح، سیرت، ماحول اور کارناموں کو موضوع بنایا ہے۔ اُردو زبان میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے حال میں لکھا جانے والا غالباً یہ پہلا مبسوط مرثیہ ہے۔ جس میں شاعر نے شروع سے آخر تک موضوع کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اس مرثیے میں شاعر نے اولاً عقائد کے بعض بنیادی مسائل چھیڑے ہیں اور اس کے بعد نہایت پر مغز اور مدلل انداز میں ان کی توضیح و تشریح کی ہے۔ شاعر نے مرثیے کے آغاز میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ منافقین نے اسلام کی اصل رُوح کو ختم کرنے کے لئے اسلام پر بغض و عناد کے جو تیر برسائے اس تیر کا ایک نشانہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ" بھی بنیں۔

شاعر نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے حوالے سے پیدا ہونے والی بعض غلط فہمیوں کو بھی دُور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعر کا موقف واضح ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی آمد سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینانِ قلب نصیب ہوا اور انہی کے سبب اس جہان میں نسلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بھی موجود ہے۔ شاعر نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا موازنہ حضرت مریمؑ، حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہؑ سے کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فضیلت و سعادت میں حضرت خدیجہ سب سے افضل و محترم ہیں۔ مرثیہ کے آخر میں شاعر نے حضرت زینبؑ کو ریاضِ خدیجہ کا ایک پھول قرار دیا ہے۔ حضرت زینبؑ نے بعد شہادتِ حسینؑ

جس طرح سے مقاصد حسینؑ کی تبلیغ و اشاعت کی ہے' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آخر میں شاعر نے انتہائی الم ناک انداز میں شہادت حسین علیہ السلام کے بعد کے حالات قلم بند کئے ہیں اور خاص طور پر اس حوالے سے حضرت زینبؑ کا کردار پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ دو جہتوں میں دیگر مرثیوں سے مختلف ہے۔ اولاً شاعر نے اس مرثیے میں عقائد کے بعض بنیادی سوالات اٹھا کر ان کے تشفی بخش جوابات دیے ہیں۔ ثانیاً اس میں شاعر نے نفسیاتی اور دھیما لہجہ چھوڑ کر بلند آہنگ اور دبنگ لہجہ اختیار کیا ہے۔ اس باعث سید وحید الحسن کے اس مرثیے کو ناقدین نے ان کے ندرت فکر کا نمونہ قرار دیا ہے۔ (۳۰) ڈاکٹر آغا سہیل اس مرثیے کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"...... ہاشمی صاحب محض متبع ہی نہیں مخترع بھی ہیں۔ زیر نظر مرثیہ ملیکۃ العرب جناب خدیجہ کے حال میں رقم ہوا ہے لیکن حضرت خدیجہ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے بیان سے متعلق ہے۔ ان کی عصمت اور عفت اور ان کے خانوادے کی جلالت قدر پر روشنی ڈالنے کے لیے ہاشمی صاحب نے تاریخی شواہد اور منطقی استدلال سے جو براہین کیے ہیں وہ مسکت ہی نہیں بلکہ برہان قاطع اور قاطع برہان کی دولت و ثروت اور ان کی طہارت و پاکیزگی ان کی شخصی حیثیت کے تعین میں مددگار ہوئی۔" (۳۱)

مرثیہ "**ملیکۃ العربؑ**" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

کہتے ہیں آدمی ہے بہر حال محترم   سب ایک سے ہیں کوئی زیادہ کوئی نہ کم
قسمت لکھی گئی نہ مقدر ہوا رقم   فطرت نے سب کو ایک سے ساماں کئے بہم

---

(۳۰) طاہر حسنین کاظمی' سید' ڈاکٹر' اردو مرثیہ میر انیس کے بعد' دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز' ۱۹۹۷ء' ص ۳۸۶

(۳۱) آغا سہیل' ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ ملیکۃ العربؑ)' العطش (جلد اول) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص ۱۷۶

جاہل کہو کسی کو نہ اہلِ خبر کہو
ہے آدمی رسولؐ کہو یا بشر کہو

لیکن یہ ناقدین سے پوچھے کوئی ذرا
قرآں کی رُو سے معنیِ تطہیر پھر ہیں کیا
جب آدمی کی فکر ہے آزردۂ خطا
کیوں اک بشر کو حق تصرف دیا گیا
نعرہ برابری کا ہے جب ہر زبان پر
کیوں مصطفیٰؐ کو حق ہے زمانے کی جان پر

جب عالمِ شہود کے انساں ہیں ایک سے
پھر اتباعِ حکمِ نبیؐ کیوں کوئی کرے
جب آب و گِل کے جسمِ بشر میں ہیں سلسلے
پھر کس طرح رسولؐ سُوئے لامکاں گئے
جب بندشیں کوئی نہیں رزقِ حلال پر
صدقہ حرام کیوں ہے محمدؐ کی آل پر

یکساں ہیں جب سرشت میں کل ساکنِ زمیں
سایہ نبیؐ کے جسمِ مبارک کا کیوں نہیں
جب ہیں رسولؐ پاک اسی خاک کے مکیں
کس طرح لامکاں سے مکاں ہو گیا قریں
جب ہر بشر کا رنگ ہے بزمِ شہود میں
کیوں صرف اہلِ بیتؑ ہیں شامل درود میں

جب ایک ہی شجر کے ہیں سب آدمی ثمر
شیریں جہان میں کچھ ہیں تو کیوں کچھ ہیں تلخ تر
جب آسمان سے کوئی اترا نہیں بشر
آدمؑ کہاں سے آ کے بسے ہیں زمین پر
فطرت نہیں یہ مہد میں جب کائنات کی
کس طرح پھر مسیحؑ نے جھولے میں بات کی

۱۰۔ زنجیرِ سفر

''زنجیرِ سفر'' نامی مرثیہ ۱۹۸۷ء کی یادگار ہے۔ چھپن بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ پہلی مرتبہ العطش (جلد اول) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔

''زنجیرِ سفر'' نامی مرثیہ سید سجاد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حال میں

کہا گیا ہے۔ اس مرثیے میں شاعر نے شہادت حسین علیہ السلام کے بعد مقاصدِ شبیرؑ کی نشر واشاعت کے لئے حضرت زین العابدینؑ کے سفر کو بعض منفرد تشبیہات وعلامات کے ذریعے پیش کیا ہے:

''تکمیل سفر کیجئے زنجیر سفر سے''

کہہ کر شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر مقصد ارفع واعلیٰ ہو تو مسافر کے عزم کو جابر کا ظلم و ستم نہیں روک سکتا۔ اس سلسلے میں شاعر نے سید سجادؑ کی مثال پیش کی ہے کہ جنہوں نے دینِ حق کی خاطر طرح طرح کے صدمات برداشت کئے۔ اس کے بعد شاعر نے اپنے ممدوح کی سیرت وکردار کے مختلف اوصاف حمیدہ بیان کئے۔ اُردو شاعری میں غالباً پہلی مرتبہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو عربی وعجمی تہذیب کے ملاپ کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ آخر میں شاعر نے جناب سید سجادؑ کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے کس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیغام کو عوام الناس تک پہنچایا اور اپنے صبر کے وار سے دشمنوں کو نیست ونابود کر دیا۔ اس طرز عمل کا مقصد صرف یہ تھا کہ انسان کی فکر کسی نہ کسی طرح سے بیدار ہوتا کہ وہ کذب وصداقت کے مابین فرق وامتیاز قائم کر سکے۔ آخر میں شاعر نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے دورانِ سفر کے مصائب کا بیان انتہائی دردناک انداز میں کیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرثیہ وحید الحسن ہاشمی کے دیگر مرثیوں سے قطعاً مختلف اور منفرد ہے۔ غالباً یہ واحد مرثیہ ہے جس میں شاعر نے ابتداء ہی سے ایک ایسی صورت حال پیش کر کے پورے مرثیے میں غم واندوہ کی لہر دوڑا دی ہے۔ یہی اس مرثیے کی خوبی ہے۔

اس مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل احمد خاں رقم طراز ہیں:

''...... جناب سید وحید الحسن ہاشمی کی شاعرانہ شخصیت میں ان کی دینی حساسیت کا مقام مرکزی ہے۔ ان کی اسلوبیاتی وضعوں میں دبستان لکھنؤ کی مخصوص مہارت نمایاں ہیں۔ ان کی قدرت کلام قصیدہ نگاروں کی یاد دلاتی ہے اور مرثیے کے اساتذہ کے لہجوں کے جلال وجمال کو وہ اپنی پر شکوہ نواؤں

میں ڈھالتے ہیں۔ مرثیے کے جدید رجحانات کے حوالے سے وہ اخلاقی اور
اصلاحی لے کو بھی ابھارتے ہیں۔ ان کے زیر تبصرہ مرثیے میں ان کے
اسلوب کی یہ بھی کیفیتیں نمایاں ہیں۔(۳۲)"

مرثیہ "زنجیرِ سفر" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

شخصیتِ سجادؑ کا پڑھتا ہے قصیدہ　　اسلام کی آواز پہ فطرت کا جریدہ
خود کہتی ہے انسان سے ہر علم شنیدہ　　تحریر میں آتے ہیں وہ اوصاف حمیدہ
کیسے جسے اعجاز وہ توصیف یہی ہے
جبریل بھی تھک جائیں وہ تعریف یہی ہے

دنیا کے لئے ابرِ کرم سیدِ سجادؑ　　آفاق میں سجدوں کا بھرم سیدِ سجادؑ
قدرت ہے بیاں زور قلم سیدِ سجادؑ　　ہاشم کے قبیلے کا حشم سیدِ سجادؑ
ہر رُخ سے محمدؐ کی سیادت میں ڈھلے ہیں
یہ وحیِ الٰہی کے سفینے میں پلے ہیں

حیدرؑ کی جلالت کا نشاں سیدِ سجادؑ　　محبوبِ خدا کے دل و جاں سیدِ سجادؑ
کفار کے نرغے میں اذاں سیدِ سجادؑ　　قرآن ہے خاموش زباں سیدِ سجادؑ
آئینہ اسلاف ہیں، نورِ ازلی ہیں
یہ اور نہیں اپنے زمانے کے علی ہیں

تقدیس کی تکمیلِ سفر سیدِ سجادؑ　　تہذیب کی معراجِ نظر سیدِ سجادؑ
شبیرؑ ہیں کعبہ تو گہر سیدِ سجادؑ　　نسلِ بنی ہاشم کا شجر سیدِ سجاد
ایسا شہِ خوشخو کہ پسند آیا سبھی کو
یہ وہ عربیؑ ناز ہے جس پر عجمی کو

---

(۳۲) سہیل احمد خان، ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ زنجیر سفر) "العطش" لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء،
ص ۱۹۳

تدبیر عجمؑ فکرِ عرب سیدِ سجادؑ صورت گرِ ہر علم و ادب سیدِ سجادؑ
تکوینِ دو عالم کا سبب سیدِ سجادؑ ہمت کا خدا بندۂ رب سیدِ سجادؑ
بے لوث عبادت کا اثر پوچھ لو اُن سے
جو غیب میں پنہاں ہے خبر پوچھ لو اُن سے

۱۱۔ سرکارِ وفا

''سرکارِ وفا'' نامی یہ مختصر مرثیہ ۱۹۸۸ء میں تخلیق ہوا اور آغا قمر حسنین نے ۱۹۸۹ء میں ''لہولہو کہکشاں'' نامی کتاب میں دیگر مرثیوں کے ساتھ اسے بھی شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں کراچی و لاہور کے سات مرثیہ گوشعراء کے مرثیے اور ۱۹ (انیس) سلام گوشعراء کے سلام شامل ہیں۔ ''احوالِ واقعی'' کے حوالے سے مرتب نے اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں بعض باتیں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ہلال نقوی کا ایک مبسوط مقدمہ بھی اس کتاب میں شامل ہے' جس میں موصوف نے اپنی علمی بصیرت اور ذاتی نقطۂ نظر سے مرثیہ گو شعراء کا تعارف کرایا ہے اور جدید مرثیے کے بارے میں چند معروضات پیش کئے ہیں۔ یہ کتاب ادارۂ تقدیسِ قلم کے تعاون سے کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

''سرکارِ وفا'' نامی مرثیہ علمبردارِ فوجِ حسینؑ حضرت عباسؑ کے حال میں رقم کیا گیا ہے۔ ساٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت عباسؑ کے فضائل و مصائب بلند آہنگی سے بیان کئے ہیں۔ شاعر نے آغاز ہی میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وفا سلطنتِ حق ہے اور اس کا نظام عباسؑ علمدار ہیں۔ شاعر کا خیال ہے کہ حضرت عباسؑ کی پوری زندگی حق و صداقت کی علمبردار تھی' کیوں کہ آپ کی پرورش و پرداخت خاص خانۂ زہراؑ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد شاعر نے ان کے بچپن اور جوانی تک کے حالات اور کارنامے انتہائی اختصار سے بیان کئے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقاء میدانِ کربلا میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کر رہے تھے تو اس وقت حضرت عباسؑ کا جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ شاعر نے حضرت عباسؑ کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے تیور نہایت چابکدستی سے پیش کئے ہیں۔

آخر میں شاعر نے نہایت خوبصورتی سے حضرت عباسؑ کی مشروط جنگ اور ان کے حصول آب کا تذکرہ نہایت دردناک انداز میں کیا ہے۔ آخر میں شاعر نے حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد دل کو دہلا دینے والے بین پیش کیے ہیں۔ مجموعی طور پر حضرت عباسؑ کے حال میں لکھا جانے والا یہ مختصر مرثیہ ان کے صفات و کمالات کا ایک عمدہ اور نادر نمونہ ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی کے اس مرثیے کی ناقدین نے بہت تعریف کی ہے۔ ڈاکٹر سید طاہر حسین کاظمی نے اس مرثیے کو سید وحید الحسن ہاشمی کی علمی بصیرت اور بالغ نظری کا نمونہ قرار دیا ہے۔ (۳۳) اس مرثیے کے بارے میں ڈاکٹر عبید اللہ خان کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

> ''......سید وحید الحسن ہاشمی نے الفاظ کے انتخاب میں بڑی فنکاری سے کام لیا ہے۔ چونکہ انہیں زبان پر پوری قدرت حاصل ہے اس لیے ہر ہر بند میں الفاظ کی مرصع کاری قدم قدم پر اپنے نقوش اس طرح ثبت کرتی چلی جاتی ہے کہ جنگ کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ قاری سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے بلکہ وہ خود بھی اس جنگ میں شریک ہے اور حضرت عباسؑ کی راہ کو اپنا کر اپنے لیے توشۂ آخرت تیار کر رہا ہے۔ (۳۴)''

سید وحید الحسن ہاشمی کے درج بالا گیارہ مرثیے العطش (جلد اول) میں شائع ہو چکے ہیں۔ راقم الحروف نے ان مرثیوں کی تسوید میں یہ اہتمام کیا تھا کہ ہر مرثیے پر کسی معتبر ناقد کی رائے پیش کی جائے۔ ابھی آپ نے ان ناقدین کی آراء کے جزوی اقتباسات پڑھے ہوں گے۔ اب چلتے چلتے اس العطش (جلد اول) کے بارے میں دو ناقدین کی آرا اور دیکھ لیجئے۔ جناب احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں:

---

(۳۳) طاہر حسین کاظمی، سید، ڈاکٹر، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۸۶

(۳۴) عبید اللہ خان، ڈاکٹر (رائے۔ مرثیہ سرکار وفا) ''العطش'' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۲

''......سید وحید الحسن ہاشمی ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ مرثیہ گوئی ان کے فن کا خاص میدان ہے اور دیگر متعلقہ اصناف شاعری نعت' سلام اور منقبت میں بھی وہ اپنے عصر کے شعراء میں ایک الگ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بہت کم شعراء نے عقیدے اور فن کو اتنے توازن اور تناسب سے شعری صورت دی ہوگی۔ ان کے کلام میں روانی' سلاست اور سادگی مستزاد صفات ہیں۔ ان کا فن جہاں بڑے بڑے اہل علم و دانش کی تحسین کا مستحق ہے وہیں عام پڑھا لکھا آدمی بھی ان کے کلام سے دل کی گہرائیوں تک متاثر ہو گا۔ ناقدین ادب نے بجا طور پر کہا ہے کہ انیس اور دبیر کے بعد فن مرثیہ کو زوال آ گیا میں نے ''بجا طور پر'' کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ انیس و دبیر کے بعد سالہا سال تک ان کے پائے کی مرثیہ نگاری کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ بیسویں صدی میں جوش ملیح آبادی' آل رضا' نسیم امروہوی اور وحید الحسن ہاشمی کے سے مرثیہ نگاروں نے اپنی تخلیقات سے ناقدین ادب کے دعوے کی تنسیخ کر دی۔ مثال کے طور پر ہاشمی صاحب کے کلام کا مطالعہ کیجئے وہ پورے سانحہ کربلا کو اس کے صحیح سیاق و سباق کے ساتھ' مگر دور جدید کے طرز احساس کی روشنی میں اتنے کمال سے فن کا پیرایہ عطا کرتے ہیں کہ اُردو میں فن مرثیہ نگاری عروج کی ایک نئی سطح کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''(۳۵)

سید وحید الحسن کے مرثیوں کے اولین مجموعے ''العطش'' کے بارے میں ڈاکٹر وحید قریشی رقم طراز ہیں:

''......سید وحید الحسن ہاشمی کا مجموعہ مراثی العطش کئی لحاظ سے اہم ہے۔ کلاسیکی روایت میں انفرادیت کا راستہ نکالنا جان جوکھوں کا کام ہے اور بڑے بڑے شاعر مرثیوں کی بندوں والی تکنیک میں اکثر اساتذہ کے مصرعوں کے مصرعے

(۳۵) احمد ندیم قاسمی ''العطش'' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص فلیپ

دہرانا شروع کر دیتے ہیں۔ حدود و قیود میں رہتے ہوئے اپنے لیے نیا راستہ نکالنا اور مرثیے کی زمین میں وسعت پیدا کرنا مشاق اور خلاق شاعری کا کام ہے۔ وحید الحسن ہاشمی میں یہ دونوں صفات موجود ہیں۔ اس لیے ان کے مرثیوں میں انیس و دبیر کی شان و شوکت بھی ہے اور روانی و محاکاتی انداز بھی لیکن بزرگوں کے "مال" کو دہرانے کا وہ رویہ نہیں جو آج کل کے مرثیہ نگاروں کے ہاں عام ہو گیا ہے۔ کسی بندھی ٹکی چویشن میں تر و تازگی قائم رکھنا بڑے سلیقے کی بات ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شخصیات کو انسانی صفات سے الگ نہیں کیا اور عقیدے کے جوش میں وہ غلو کی منزل تک نہیں پہنچے۔ اردو مرثیے میں العطش ایک اہم اضافہ ہے۔" (۳۶)

سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کا دوسرا مجموعہ العطش جلد دوم کے نام سے طبع ہوا۔ اس مجموعہ میں صاحب تصنیف نے حرف مدعا کے عنوان سے لکھا ہے کہ

"..... میں نے ان مرثیوں میں جہاں تک ہو سکا عام فہم الفاظ و تراکیب استعمال کی ہیں' اضافتوں کا استعمال بامر مجبوری ہوا ہے۔ میں نے صنائع اور بدائع سے بھی گریز کیا ہے کیوں کہ میں صنائع اور بدائع کو بشمول قافیہ و ردیف بدن نہیں بدن کا زیور سمجھتا ہوں۔ اب اگر کوئی اپنے قدرتی بدن کے حسن کو پوشیدہ کر کے فقط زیورات کی نمائش کرنا چاہتا ہے تو اس کی مرضی' اس پر قدغن کوئی نہیں ہے"۔ (۳۷)

العطش جلد دوم میں کل گیارہ مرثیے شامل ہیں۔ اس مجموعے میں ڈاکٹر آغا سہیل کا مقالہ بعنوان "وحید الحسن ہاشمی اور جدید اردو مرثیہ" اور ڈاکٹر مظفر عباس کا مقالہ بعنوان "اردو مرثیے کے وحید العصر" شامل ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی کے زیر نظر مجموعے پر تبصرہ کرتے ہوئے

---

(۳۶) وحید قریشی' ڈاکٹر "العطش" لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص فلیپ

(۳۷) وحید الحسن ہاشمی "العطش (جلد دوم)" لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۵ء' ص ۲

ڈاکٹر آغا سہیل رقمطراز ہیں:

"...... یہاں کے بے شمار جدید مرثیہ نگاروں میں وحیدالحسن ہاشمی اس لیے نمایاں اور ممتاز ہیں کہ انہوں نے کلاسیکیت کے معتبر اسالیب سے دامن نہیں بچایا اور جدید رنگ کے معیار کو ملحوظ رکھ کر مرثیہ کہا یعنی اپنے زمانے کو اور اس کے تقاضوں کو اپنے مرثیے سے منہا نہیں کیا۔ ان کے مرثیوں میں عصری حسیت ان کے پیش رو جوش اور آل رضا کی طرح موجود ہے۔ اس سلسلے میں ان کے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مراثی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (۳۸)"

سید وحیدالحسن ہاشمی کے دوسرے مجموعہ مراثی کا استقبال کرتے ہوئے ڈاکٹر مظفر عباس نے موصوف کو اردو مرثیے کا "وحیدالعصر" قرار دیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

"...... وحیدالحسن ہاشمی صاحب ہماری مذہبی شعری روایت کے اس قبیلے کے فرد ہیں جس نے قدیم روایت کے اندر سے اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ ان کے کام پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاعر مرثیے کو اس حد تک جدید تقاضوں کے قریب لے آیا ہے کہ جدید سے جدید ذہن بھی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔" (۳۹)

اب ذیل میں اس مجموعہ مراثی کے تمام مرثیوں کے حوالے سے چند معروضات پیش خدمت ہیں:

مرثیہ "سرکارِ وفا" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

وفا ہے سلطنتِ حق نظام ہے عباسؑ | زباں ہے دینِ پیمبر کلام ہے عباسؑ
سرورِ حمد ہے جس میں وہ جام ہے عباسؑ | حسینیت کے تحفظ کا نام ہے عباسؑ

---

(۳۸) آغا سہیل، ڈاکٹر "وحیدالحسن ہاشمی اور جدید اردو مرثیہ" مشمولہ "العطش" (جلد دوم) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰

(۳۹) مظفر عباس، ڈاکٹر "اردو مرثیے کا وحیدالعصر" مشمولہ "العطش" (جلد دوم) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰

بزورِ صبر یہ منوا لیا زمانے سے
فرات ہار گئی مشک کے دہانے سے

حسینؑ بدرِ مشیت ہلال ہے عباسؑ
کوئی جواب تو لائے سوال ہے عباسؑ

بہ ضبطِ نفسِ علیؑ کا کمال ہے عباسؑ
دعا سے پوچھیے زہراؑ کی آل ہے عباسؑ

سمجھ میں بات بہ عنوانِ کربلا آئی
کھلا یہ پھول تو خوشبوئے مصطفیؐ آئی

شجاعتِ شہِ مرداںؑ کا نور ہے عباسؑ
فرازِ کوہِ عمل شمعِ طور ہے عباسؑ

خدا پسند وفا کا غرور ہے عباسؑ
حسینؑ ذہنِ نبوتؐ شعور ہے عباسؑ

شرف کی منزلیں اس رہنما کی راہ میں ہیں
تمام آیتیں عباسؑ کی نگاہ میں ہیں

نہالِ شرعِ پیمبرؐ گلاب ہے عباسؑ
جو خوشبوؤں نے لکھا وہ نصاب ہے عباسؑ

ملیں نہ لب وہ اطاعت مآب ہے عباسؑ
ضمیرِ آلِ عبا کا شباب ہے عباسؑ

دعائے فاطمہؑ سے بالیقین زندہ ہیں
اس ایک بیٹے سے اُم البنینؑ زندہ ہیں

شرافتِ ابو طالبؑ کا ناز ہے عباسؑ
کھلا جو قلبِ علیؑ پر وہ راز ہے عباسؑ

نخیب سارا زمانہ فراز ہے عباسؑ
یہ زندگی ہے مصلا نماز ہے عباسؑ

ادائے فرض پہ اُٹھ اُٹھ کے احترام کیا
اسی نماز کو سجادؑ نے سلام کیا

۱۲۔ اُسوۂ بتولؑ

"اُسوۂ بتولؑ" نامی مرثیہ ۱۹۸۹ء میں تخلیق ہو کر ۱۹۹۵ء میں طبع ہوا اور "العطش" (حصہ دوم) میں شامل ہوا۔ چونسٹھ بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنی گوناگوں صفات کی بناء پر اہلِ دانش سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

''اسوۂ بتولؑ'' نامی مرثیے میں شاعر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو اس کائنات کے لئے باعثِ رحمت قرار دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ گلستانِ رسالتؐ کی معصوم کلی حضرت فاطمہؑ عالم نسواں کی نگہبان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جناب بتول سلام اللہ علیہا کو جو عز و افتخار عطا کیا' وہ کسی دوسری خاتون کو نصیب نہ ہو سکا۔ شاعر کے نزدیک اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ نسلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بقا کا نشان ہیں۔ شاعر کے نزدیک حضرت فاطمہؑ کی زندگی عالم نسواں کے لئے نمونۂ عمل ہے۔ آپؑ نے اپنے طرزِ حیات کے جو نقوش چھوڑے ہیں' عصرِ حاضر کی ہر پاک دامن بی بی اس پر چل کر اپنی دنیا و آخرت کو سنوار سکتی ہے۔

آخر میں شاعر نے اُن دردناک مصائب کا ذکر کیا ہے' جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو برداشت کرنا پڑے اور یہی مصائب ان کی موت پر منتج ہوئے۔ آخر میں شاعر نے چشمِ تخیل سے حضرت فاطمہؑ کو کربلا کے صحرا میں پریشاں حال دیکھا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تحریک آزادیٔ نسواں کے پس منظر میں یہ مرثیہ مسلمان خواتین کے لئے بطورِ خاص مشعلِ راہ ہے۔

مرثیہ اسوۂ بتولؑ کے حوالے سے ڈاکٹر محمد صالح طاہر رقمطراز ہیں:

> ''ـــــــ رثائی ادب میں جناب سید وحید الحسن ہاشمی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ آپ نے ادب صالح کی ترویج کے لیے خود کو وقف کر رکھا ہے۔ آپ عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں انسان کو اپنے بچوں کے نام بھی صحیح طرح یاد نہیں رہتے مگر یہ حب آل رسولؐ کا اعجاز ہے کہ آپ کا قلم آج بھی جوانوں سے تیز چل رہا ہے اور چلے بھی کیوں نہ کیوں کہ آپ شاعر اہلبیتؑ جو ٹھہرے۔ آپ کے زیر نظر مرثیے میں چونسٹھ بند ہیں جس کے ہر مصرعے سے آپ کی اہلبیتؑ سے محبت عیاں ہے۔ فنی لحاظ سے اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی یہ مرثیہ اعلیٰ پائے کا ہے(۴۰)ـــــــ''

---

(۴۰) محمد صالح طاہر ڈاکٹر (تجزیہ) ''اسوۂ بتولؑ'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء

مرثیہ "اسوۂ بتولؑ" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

وجہِ بقائے عالمِ نسواں بتولؑ ہیں — عصمت ہے ایک راز نگہباں بتولؑ ہیں
قراں علیؑ ہیں معنیِ قراں بتولؑ ہیں — ہر ماں سلام کرتی ہے وہ ماں بتولؑ ہیں
عزت کرے فلک وہ فلک احتشام ہیں
یہ وہ ہیں جن کی نسل میں گیارہ امام ہیں

یہ رحمتِ خدائے دو عالم کی جان ہیں — یہ نسلِ مصطفےٰ کی بقا کا نشان ہیں
یہ غایتِ نماز ہیں وجہِ اذان ہیں — لفظ نساءنا کی یہی ترجمان ہیں
تکمیلِ مدعائے نبوت انہی سے ہے
دنیا میں اعتبارِ سیادت انہی سے ہے

روشن ہے ان کے نور سے خورشید کا طبق — دیکھے جو ان کا در تو فلک ہو عرق عرق
قرآن ان کو گھر میں سناتا رہا سبق — کہیئے انہیں کساء کے صحیفے کا سرورق
شاہد مباہلے کا بیاں ان کی ذات پر
آیات ناز کرتی ہیں زہراؑ کی بات پر

بس یہ ہیں صدرِ بزمِ خواتینِ کائنات — پردہ ہے مثلِ رمزِ حروفِ مقطعات
ہونٹوں پہ فخر کرتی ہیں آیاتِ بیّنات — ہے ان کے چار سمت ہجومِ تجلیات
دیکھا جو دور سے اثرِ قلبِ صاف کو
اترا انہی کے گھر پہ ستارہ طواف کو

حشمت پکارتی ہے یہ ہیں صاحبِ حشم — عالم میں ان کی وجہ سے ایماں ہے محترم
ڈالے نظر جو غیر نکل جائے اس کا دم — مٹھی میں ان کی خلد ہے زیرِ قدم ارم
جلوے تمام ان کی حدودِ نظر میں ہیں
وحدت کے جتنے چاند ہیں سب ان کے گھر میں ہیں

۱۳۔ پردہ

''پردہ'' نامی مرثیہ کا سنِ تخلیق تو ۱۹۹۰ء ہے تاہم یہ مرثیہ ۱۹۹۵ء میں العطش (جلد دوم) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ پینسٹھ بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ مجموعی اعتبار سے انتہائی اہم قرار دیا جا سکتا ہے۔

''پردہ'' نامی مرثیہ میں شاعر نے پردہ کی ضرورت' اہمیت اور فضیلت پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ تزئینِ کائنات کے مناظر انتہائی عجیب ہوتے ہیں اور حق کے مظاہر پردے میں مستور ہیں۔ خالق کو حجاب کی گہرائیاں اتنی پسند ہیں کہ اُس نے پردے کو اپنی ذات سے منسوب کر دیا ہے۔ شاعر نے مختلف تشبیہات و استعارات کی مدد سے پردے کی جلوہ خیزیاں ظاہر کرنے کے بعد یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عورتوں کے لئے پردے کا اہتمام ضروری ہے۔

آخر میں شاعر نے انتہائی ملال انگیز انداز میں کرب و بلا میں سیدانیوں کے سر سے چادریں چھین لینے کے واقعات بیان کئے ہیں۔ شاعر نے موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت زینبؑ کے سر سے چادر تو چھین لی گئی لیکن یہی چادر اب کائنات کے سر پر سایہ فگن ہے۔ آخر میں شاعر نے انتہائی دردناک انداز میں حضرت سکینہؑ کی شہادت کے واقعات قلمبند کئے ہیں اور حضرت ربابؑ کے بین پیش کئے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ اپنے تاثر کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

مرثیہ ''پردہ'' کے حوالے سے پروفیسر ہارون قادر کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

> ''۔۔۔۔۔اس مرثیے کے اولین حصے میں جو اس کے عنوان ''پردہ'' سے متعلق ہے ایمانی' تاریخی اور علمی معاملات پیش کیے گئے ہیں۔ ان سب معاملات کو جس سہولت سے علمی طریق اور عقلی انداز سے بیان کیا ہے اس نے اس مرثیے کی وقعت میں بہت اضافہ کیا ہے۔ اس حصہ میں پردہ اور حجاب کی جن جہات کو سامنے لایا گیا ہے وہ متاثر کن ہے۔ اس تمام

صورت حال سے وحید الحسن ہاشمی کے علم کی وسعت اور بیان پر گرفت کا پتہ چلتا ہے(۴۱)——"

مرثیہ "پردہ" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

بیمار سے یہ جا کے کہا وقت کے امام   اٹھو تمام جل گئے ناموس کے خیام
دیکھو تو سر برہنہ ہیں سیدانیاں تمام   ممکن نہیں اس آگ میں پردے کا اہتمام
جو سنتِ نبیؐ ہو وہی سب ادا کریں
باہر چلیں کہ آگ میں جل جائیں کیا کریں

بولے امامؑ مصلحتِ وقت ہے یہی   بچوں کو لے کے جلد نکل جایئے پھوپھی
پردہ ہے عورتوں کے لئے مثلِ زندگی   آنچ آئے زندگی پہ تو پردہ ہے ثانوی
عقبیٰ میں بڑھ گئے ہیں عمل پردہ دار کے
مجرم وہ ہیں جو لے گئے چادر اتار کے

چادر چھنی تو بڑھ گئی پردے کی آبرو   زینبؑ تھی اور مقصدِ سرورؑ کی آبرو
نیزہ بدست کرتے ہوئے ورد جابجو   پھرنے لگی جلے ہوئے خیموں کے چارسو
ماحول غم میں خوبیِ احساس بن گئی
زینبؑ فضا بدلتے ہی عباسؑ بن گئی

چادر چھنی تو آگئے چہروں پر سر کے بال   چادر چھنی تو رخ سے ٹپکنے لگا جلال
چادر چھنی تو تیغِ زباں کا کھلا کمال   چادر چھنی تو ڈھل گئے خطبوں میں سب خیال
اسلام جس پہ ناز کرے وہ سفر ہوا
چادر چھنی تو شام کا دربار سر ہوا

---

(۴۱) ہارون قادر، پروفیسر (تجزیہ) "پردہ" مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

بے پردگی سے ہار گیا پردۂ قیاس　　ظالم کے ساتھ ظلم کے اڑنے لگے حواس
بے پردگی نے توڑ کے ہتکانہ ہراس　　ہر پردہ دار کو کیا عزت سے روشناس
موقف چھپا رہا تھا حسینؑ شہید کا
خود چاک ہو کے رہ گیا پردہ یزید کا

۱۴۔ آرزوئے علیؑ

''آرزوئے علیؑ'' نامی مرثیہ ۱۹۹۰ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ۱۹۹۵ء میں ''العطش'' (حصہ دوم) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ یہ مرثیہ کل چھیاسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔

''آرزوئے علیؑ'' نامی مرثیے میں شاعر نے آرزو کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ بقائے بشریت کا مدار آرزو پر ہے تاہم یہی خواہش نفس پرستی کا سبب بن جائے تو انسان شرف انسانیت سے بھی گر جاتا ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے رحلتِ فاطمہؑ کے بعد تحفظ اسلام کیلئے حضرت اُم البنینؑ سے عقدِ ثانی کی آرزو کی۔ اس آرزو کے اسرار ورموز سے شاعر نے کما حقہٗ پردہ اٹھانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ شاعر واضح کرتا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ حضرت فاطمہؑ کے دل کی دُعا' تزئین گلستانِ وفا اور معجزۂ دستِ بقا ہیں۔ آپ نے جس طرح حضرت عباسؑ علمبردار کی پرورش و پرداخت کی وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

آخر میں شاعر نے واقعہ کربلا کے بعد اہلِ حرم کی واپسی کو غمناک انداز میں بیان کیا ہے اور حضرت اُم البنینؑ کے حسرت ناک بین پیش کئے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ اپنے منفرد موضوع اور دلکش اسلوب کی وجہ سے قابلِ قدر قرار پاتا ہے۔

''آرزوئے علیؑ'' نامی مرثیے کے حوالے سے پروفیسر مشکور حسین یادؔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''—— آرزوئے علیؑ'' کے عنوان وحید الحسن ہاشمی نے حضرت اُم البنینؑ پر مرثیہ لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اپنی جگہ اس مرثیہ کا موضوع خاصہ کٹھن تھا لیکن مرثیہ نگار بڑے حسن وخوبی کے ساتھ ان کٹھن مراحل

ادب سے گزرا ہے...... وحید الحسن ہاشمی نے اس مرثیہ میں کمال یہ دکھایا
ہے کہ حضرت علیؑ کی بشریت کو اپنی جگہ قائم رکھا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ
ان کی ولایت و امامت کا بھی احسن طریقے سے اظہار کیا ہے(۴۲)''
مرثیہ ''آرزوئے علیؑ'' کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

تھیں ابھی مادرِ عباسؑ تو صدمے سے نڈھال ۔۔۔ نظر آیا سرِ صغراؑ کے پریشان ہیں بال
کہا صغراؑ نے یہ دادی سے چلیں گھر فی الحال ۔۔۔ تشنہ لب سو گئے پردیس میں سب آپ کے لال
کس طرح رن میں چچا غم کا مداوا کرتے
کٹ گئے شانے تو بابا کی مدد کیا کرتے

گھر میں آئیں تو نظر آئے وہ دلبر ہر سو ۔۔۔ دیکھا اک مشک لئے گود میں بیٹھی ہے بہو
خاک بالوں پہ ہے سوجے ہوئے دونوں بازو ۔۔۔ اپنی تاریخ سناتا ہے ہر اک زخمِ گلو
ننھے بچے سوئے اعدا نگراں اب بھی ہیں
آگ تو بجھ گئی کرتوں پہ نشاں اب بھی ہیں

دامنِ فضل پہ دیکھے جو لہو کے دھبے ۔۔۔ بولیں اے لال تجھے کس نے یہ مارے دُرّے
ہائے اعدائے حرم صاحبِ اولاد نہ تھے ۔۔۔ کرب میں فضل کے ہونٹوں سے یہ جملے نکلے
کچھ نہ پوچھیں کہ مرا حال زبوں ہے دادی
یہ تو بابا کے کٹے ہاتھوں کا خوں ہے دادی

سن کے عباسؑ کے شانوں کی حکایاتِ الم ۔۔۔ جھک گئی شکر کے سجدے میں وہ بادیدۂ نم
پہلے سوچا کہ طلب گار قضا کا کیا غم ۔۔۔ پھر خیال آیا کہ جب ہاتھ ہوئے ہوں گے قلم
خود کو گھوڑے پہ بڑے جبر میں پایا ہوگا
کیسے عباسؑ مرا خاک پہ آیا ہوگا

---

(۴۲) مشکور حسین یاد، پروفیسر (تجزیہ) ''آرزوئے علیؑ'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

اک ضعیفہ نے کیا فرطِ محبت سے سلام — کہہ کے یہ قبرِ زہراؑ کے گئیں عرشِ مقام
کہا زینبؑ نے مجھے کہتے ہیں مظلومۂ شام — پوچھا بی بی یہ بتائیں کہ ہے کیا آپ کا نام

ہائے اماں یہ جہاں جان کے انجان ہوا
آیتیں اتری تھیں جس گھر میں وہ ویران ہوا

۱۵۔ انا اور خودداری

''انا اور خودداری'' نامی مرثیہ ۱۹۹۱ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ۱۹۹۵ء میں ''العطش'' (حصہ دوم) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ العطش حصہ دوم کو الحبیب پبلی کیشنز نے لاہور سے شائع کیا۔ یہ مرثیہ کل بہتّر بندوں پر مشتمل ہے۔

''انا اور خودداری'' نامی اس مرثیے میں شاعر نے عصرِ حاضر کے ایک ایسے فرد کا نقشہ کھینچا ہے جو تشکیک و تیقن کے تصادم سے دوچار ہو کر گرفتارِ انا ہو گیا ہے۔ وہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ بس اس کی ذات کائنات کی ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے اور اسی وجہ سے زمین و خلاء اس کے قلمرو میں ہیں۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ دنیادار کی اَنا حق کو نہیں دبا سکتی۔ خودداری اَنا کے مقابلے میں ایک احسن جذبہ ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اپنی انا کو ختم کر کے خدا کے احکامات کی پیروی کرے اور محمدؐ و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ فکر کو اپنائے۔

شاعر کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے خانوادے نے طاغوتی طاقتوں کی انا کے بُت خودداری کی تلوار سے پاش پاش کیے اور اسی طرح شام کے بازاروں اور درباروں میں حضرت زینبؑ نے اپنی تقریروں اور خطبوں کے ذریعے حق و باطل میں حدِ فاصل قائم کی۔ شاعر نے زندانِ شام کا تذکرہ انتہائی الم انگیز انداز میں پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ فنی اور فکری ہر دو اعتبار سے انتہائی قابلِ قدر اور وقیع ہے۔

مرثیہ ''انا اور خودداری'' کے حوالے سے ڈاکٹر معراج نیر زیدی رقم طراز ہیں:

''۔۔۔ میرے پیشِ نظر وحید ہاشمی صاحب کا اسی قبیل کا مرثیہ ہے جس میں انا اور خودداری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ہاشمی صاحب نے اَنا کو ایک

ایسا جذبہ بتایا ہے جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ انا پرست ہر مقام پر اپنے "میں" کے جذبے میں سرشار نظر آتا ہے جبکہ "میں" کا تصور شیطان کا تخلیق کردہ ہے۔ یہی جذبہ نمرود، شداد اور فرعون کے قلوب میں در آیا اور انسانیت کی تباہی کا موجب بنا۔ اس کے برخلاف خودداری کا احساس ہے جو تمام انبیا، اولیا اور آئمہ کرام میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ ہاشمی صاحب نے ابتدائی بندوں میں انا کی گمراہی اور بعد کے بندوں میں خودداری کی راستی اور روشنی کا ذکر کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کربلا میں یزید 'انا' اور امام حسین علیہ السلام 'خودداری' کے نمائندہ تھے (۴۳) ——"

مرثیہ "**انا اور خودداری**" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

اس دور کا انسان گرفتارِ انا ہے　　تشکیک و تیقن کے تصادم میں گھرا ہے
طاقت کا بقر منکرِ توفیقِ دُعا ہے　　بے بس ہے مگر خود کو سمجھتا ہے خدا ہے
دل وہم سے لرزاں ہے دہائی نہیں دیتا
آنکھیں ہیں کھلی اور دکھائی نہیں دیتا

ذہنوں میں چھپائے ہوئے اوہام کا لشکر　　سینوں میں دبائے ہوئے وسواس کا محور
ہاتھوں میں لئے تنگیِ احساس کا دفتر　　قدموں میں لپیٹے ہوئے تقدیر کے چکر
جذبوں کے تلاطم میں اماں ڈھونڈ رہا ہے
منزل ہے کہاں اور کہاں ڈھونڈ رہا ہے

یہ وہم کہ مجھ سا کوئی دنیا میں نہیں ہے　　اس شان کا ذرّہ کہیں صحرا میں نہیں ہے
اس طرح کا گوہر کسی دریا میں نہیں ہے　　ایسا کوئی پھل وقت کے طوبیٰ میں نہیں ہے

---

(۴۳) معراج نیر زیدی، ڈاکٹر (تجزیہ) "انا اور خودداری" مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

تخیل کی دنیا میں عرب اور عجم ہوں
جو ذہن کے کاغذ پہ رواں ہے وہ قلم ہوں

یہ زعم کہ ہر زخم کا مرہم ہے مری ذات
سب اہلِ نظر آگ ہیں شبنم ہے مری ذات
گلدستۂ افکار دو عالم ہے مری ذات
تفسیر کتابِ بنی آدم ہے مری ذات

لکھنے کا شعور آیا ہے عنوان کو پڑھ کر
شاعر ہے زمانہ مرے دیوان کو پڑھ کر

یہ روشنیِ فکر کے چرچے ہیں مجھی سے
صدیوں کو اٹھائے ہوئے لمحے ہیں مجھی سے
ذہنوں کے تراشے ہوئے رستے ہیں مجھی سے
آواز کی لہروں کے اشارے ہیں مجھی سے

سرشار مسرت بھی ہوں مانوس بلا بھی
اب میرے قلمرو میں زمیں بھی ہے خلا بھی

۱۶۔ بچپن

''بچپن'' نامی مرثیہ ۱۹۹۲ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور ۱۹۹۵ء میں العطش (جلد دوم) میں طبع ہوا۔ یہ مرثیہ پچاس بندوں کو محیط ہے اور ہر بند تسبیح کے دانے کی طرح ایک دوسرے سے پیوست ہے۔

''بچپن'' نامی مرثیے میں شاعر نے بچپن کو زیست کی منزلِ اول کا سفر قرار دیا ہے۔ شاعر کے نزدیک چشمِ ظاہر میں تو بچپن بالکل تہی دامن ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت بیں نگاہوں میں عزائم کا مخزن ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ بچپن ایک مجاہد سپاہی اور نوجوان پر بھی سبقت لے جاتا ہے کہ خالق اسے اپنی گواہی کے لئے خود طلب کرتا ہے۔ شاعر نے انتہائی دلچسپ اور پرلطف انداز میں بچپن کے مختلف رنگ روپ بیان کیے ہیں۔ شاعر نے حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر معصوم بچوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بات واضح کی ہے کہ اس کائنات میں بے شمار ایسے بچے گزرے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی عظمت وسطوت کی گواہیاں دی ہیں۔ اس مرثیے کے آخر میں شاعر نے کرب وبلا کے میدان میں حق کی گواہی

دینے والے ایک معصوم بچے جناب علی اصغرؑ کا ذکر انتہائی رقت آمیز انداز میں کیا ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ جناب علی اصغرؑ نے قضا کے سامنے اپنا ننھا سا گلا پیش کر کے انسان کو خدا کے سامنے جھکا دیا ہے اور حشر تک ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف اپنی بہترین گواہی پیش کر دی ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک خاص موضوع کے حوالے سے یہ مرثیہ اپنے اندر بے پناہ ربط رکھتا ہے اور اس بناء پر ناقدین ادب نے اس کی بے حد پذیرائی کی ہے۔

مرثیہ ''بچپن'' کے حوالے سے ڈاکٹر نیر صمدانی رقمطراز ہیں:

''ـــــــ وحید الحسن ہاشمی کی غیر معمولی ژرف نگاہی نے علی اصغرؑ کے بچپن کی تصویر اپنے لفظوں میں زندہ اور متحرک کر دی ہے۔ علی اصغرؑ کی ولادت، کمسنی اور شہادت کی تمام جزئیات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ شاعر کا فنی، سماجی اور مذہبی شعور نقطۂ کمال کو چھوتا ہے۔ جب ہم علی اصغرؑ کی شہادت کے واقعات کو پڑھتے ہیں تو شاعر کا باطنی سوز و گداز ان کی شاعری میں محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے فکر، جذبے اور سوز کی ہم آہنگی سے شاعر کے لفظ شعاعوں کی طرح ظلمتوں کے خلاف صداقت کا استعارہ بن جاتے ہیں (۴۴) ـــــــ''

مرثیہ ''بچپن'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

ہے اسی باغ کا اک غنچۂ نورس اصغرؑ   جس نے چھ ماہ میں طے کر لیا صدیوں کا سفر
یوں لگائی رخِ بے شیر نے اک ضرب نظر   آج بھی کانپتا ہے طالبِ بیعت کا جگر

صاف ہیں ضربتِ حیدرؑ کے سب آثار یہاں
تیغ خندق میں چلی تیغ کی جھنکار یہاں

---

(۴۴) نیر صمدانی، ڈاکٹر (تجزیہ) ''بچپن'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

یوں کھلا باغِ امامت میں یہ ننھا سا گلاب — جیسے پھر خانۂ عصمت میں اتر آئی کتاب
کتنی توقیر کا حامل ہے یہ فخرِ مہتاب — باپ ہے ابنِ شہنشاہِ نجف ماں ہے ربابؑ
غل تھا اک تازہ قرابت کا قرینہ دیکھو
اک جا حسنِ یمنؑ حسنِ مدینہ دیکھو

یہ سن و سال یہ اندازۂ عالم نگری — یہ ہر اک دور پہ محکم نگہِ باخبری
موت کے سائے میں بیدار حسِ ناسوری — باپ کی گود کے بستر پہ شعورِ بصری
حق نے چہرے کا ہر اک نقش جلی رکھا ہے
باپ نے سوچ کے کچھ نام علیؑ رکھا ہے

نام اصغرؑ ہے مگر جوش ہے اکبرؑ کی طرح — غیظ آنکھوں میں ہے عباس دلاور کی طرح
کفر سے جنگ کا ارمان ہے حیدرؑ کی طرح — نہر کے سامنے آئے ہیں سمندر کی طرح
رنگِ کم اصل کو اعلیٰ نسبی کاٹے گی
آبداروں کا گلا تشنہ لبی کاٹے گی

اس کا چہرہ ہے کتابِ رخِ حیدرؑ کا ورق — انجمِ عصر اسی طفل سے لیتے ہیں سبق
اس نے ٹھکرا کے امیہ کا ہر اک نظم و نسق — دے دیا دستِ مسلماں میں اصولوں کا طبق
اس نے جتلایا کہ سرِ ظلم کا کٹ سکتا ہے
دستِ بے تیغ حکومت کو الٹ سکتا ہے

۱۷۔ جوہرِ وراثت

''جوہرِ وراثت'' نامی مرثیہ ۱۹۹۲ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۹۵ء میں العطش (جلد دوم) میں طبع ہوا۔ یہ مرثیہ اُنسٹھ بندوں پر مشتمل ہے اور ہر بند دوسرے کے ساتھ سلکِ دُر کی طرح منسلک ہے۔

''جوہرِ وراثت'' نامی مرثیے میں شاعر نے عمل کی اہمیت' فضیلت اور ضرورت کو نہایت دلچسپ طریقے سے بیان کیا ہے۔ شاعر نے عمل کو حدیقۂ انسانیت کی خوشبو' نجات کے

پیکر کا زورِ بازو اور فضائے ذہن میں دشتِ طلب کا آہو قرار دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ عمل کے بغیر انسان کی زندگی بے وقعت بلکہ ایک چلتا پھرتا لاشا ہے۔ شاعر کے نزدیک اس کائنات میں ہر جگہ رنگِ عمل کی گلکاری اور ازل سے تا بہ ابد عمل ہی کی عملداری ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاعر نے عمل کی آخری معراج کربلائے حسینؑ قرار دی ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اس کائنات میں بے شمار اعلیٰ حسب و نسب صاحبانِ علم و عمل گزرے ہیں۔ تاہم جناب مصطفیٰ جوہر کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی استقامتِ فکر سے علم و عمل کے ایسے چراغ جلائے ہیں کہ آج بھی ان کی روشنی سے صاحبانِ شعور کے قلب منور ہیں۔

آخر میں شاعر نے کرب و بلا کے میدان میں حضرت سکینہؑ کے حزنیہ کلمات پیش کئے ہیں۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرثیہ شخصی ہونے کے باوجود شخصی مرثیہ محسوس نہیں ہوتا ہے۔

''جوہرِ وراثت'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر نواز حسن زیدی تحریر فرماتے ہیں:

'' ـــــ ہاشمی صاحب مولانا جوہر کی صفاتِ عالیہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے انتہائی غیر محسوس انداز میں کربلا جا نکلتے ہیں لیکن کمالِ فن یہ ہے کہ مرثیہ دولخت نہیں ہونے پاتا۔ فضائے شامِ غریباں سے مصائبِ سکینہ کا بیان شروع ہوتا ہے تو ان کے قلم سے خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ بلاغت کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ کلام اقتضائے حال کے موافق اور صحیح ہو چنانچہ بین کے اس حصے میں بی بیوں کا تذکرہ رقت انگیزی کے باوجود واقعیت کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ مظلومین کی نفسیات' کربلا کا منظر' خود کلامی اور مکالموں کے بیان میں فصاحت و بلاغت پوری طرح جلوہ گر ہے۔ اس موقع پر ہاشمی صاحب نے جذبات نگاری کے معاملے میں جس جگر کاوی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اس سے علمِ نفسیات سے ان کی دلچسپی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ... مجموعی اعتبار سے یہ مرثیہ' مرثیہ نگار کے کمالِ فن' زبان و بیان پر قدرت' تبحر

علمی، لسانی شعور، بیسویں صدی کے طرزِ احساس، عصری شعور، تاریخ پر گہری نظر، فلسفہ، تاریخ کے علم، فلسفہ، سائنس اور علم نفسیات سے دلچسپی کشف نظر اور محمدؐ و آل محمدؐ سے عقیدت کا برملا شاعرانہ اظہار ہے (۴۵)۔۔۔۔"

سید وحید الحسن ہاشمی کے آٹھ مختصر مرثیوں کا مجموعہ "العطش" (جلد سوم) کے نام سے راقم الحروف نے ۱۹۹۸ء میں شائع کرادیا۔ الحبیب پبلی کیشنز لاہور کی جانب سے شائع ہونے والے اس مجموعے کا اختصاص یہ ہے کہ اس میں انتظار حسین (وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے کا فن) ڈاکٹر سلیم اختر (وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے) اور ڈاکٹر حسن رضوی (وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں احساس تحیر) کے مقالات بھی شامل کیے گئے ہیں۔ راقم الحروف نے ایک طویل مقدمہ تحریر کیا جبکہ احمد عقیل روبی نے فلیپ لکھ کر اس کتاب کی نوعیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ آیئے سب سے پہلے احمد عقیل روبی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"۔۔۔۔سید وحید الحسن ہاشمی صاحب بلاشبہ مرثیے کی اس عظیم شعری اور تہذیبی روایت کے امین و محافظ ہیں جسے میر انیسؔ نے خون جگر دے کر شعری عظمتوں سے روشناس کرایا۔ وحید صاحب نے اس روایت کو کم نہیں ہونے دیا بلکہ اس کے گرد اگرد فکری، عصری اور شعری اسلوب کے حاشیے لگا کر اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے وحید صاحب کے یہ گیارہ مرثیے مرتب کر کے عہد حاضر اور مستقبل کے قارئین کو العطش (جلد سوم) کی شکل میں ایک ایسا چشمۂ سخن دے دیا ہے جس سے وہ اپنی علمی، فکری اور شعری پیاس بجھاتے رہیں گے۔ (۴۶)"

---

(۴۵) نوازحسن زیدی، ڈاکٹر (تجزیہ) "جوہر وراثت" مشمولہ العطش (کلیات مراثی)، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

(۴۶) احمد عقیل روبی "العطش" (جلد سوم)، لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء ص فلیپ

وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری اور اس مجموعے میں موجود مرثیوں کے حوالے سے انتظار حسین کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

''......وحید الحسن ہاشمی کے یہاں مرثیہ صرف مرثیے کی روایت سے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اسے دوسری بڑی اصناف سے فیض پہنچا ہے۔ قصیدے اور غزل سے تشبیب تو علانیہ ان کے مرثیے میں موجود ہے ویسے بھی ان کے ہاں جا بجا بیان کا جو شکوہ نظر آتا ہے اس میں بھی شاید قصیدے کا اثر کام کر رہا ہے۔ غزل سے انہوں نے بات کہنے کے ایمائی طریقے سیکھے ہیں اور مرثیے کے مضمون کو تغزل کے رنگ میں ڈھالنے کا فن حاصل کیا ہے۔(۴۷)''

ڈاکٹر سلیم اختر نے اس مجموعے میں موجود مقالے میں سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کے ایک نئے پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

''...... جہاں تک وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کا تعلق ہے تو اگرچہ یہ بھی مرثیے کے تمام مخصوص لوازم سے آراستہ ملتے ہیں مگر پھر بھی یہ روایتی نہیں ہیں۔ ہاشمی صاحب نے ہر ممکن طریقے سے ان میں تخلیقی شخصیت کا اظہار کیا ہے جس کے باعث ان کے مرثیوں میں انفرادیت کا جوہر نمایاں نظر آتا ہے۔(۴۸)''

ڈاکٹر حسن رضوی نے سید وحید الحسن کی رثائی خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے اور احساس دلایا ہے کہ

''......لاہور میں اس صنف سخن کو آگے بڑھانے میں جو کردار وحید الحسن

---

(۴۷) انتظار حسین ''وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے کا فن'' مشمولہ ''العطش'' (جلد سوم) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء ص ۲۳۳

(۴۸) سلیم اختر ڈاکٹر ''وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے'' مشمولہ ''العطش'' (جلد سوم) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء ص ۲۳۶

ہاشمی نے ادا کیا ہے وہ مرثیہ گوئی اور مرثیہ فہمی کی تاریخ کا ایک زندہ تابندہ باب ہے۔ انہوں نے جہاں اپنے مرثیوں میں انسانی فطرت' انسانی نفسیات کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے اور انسان اور کائنات کے رشتے کی تشخیص کرتے ہوئے محمدؐ و آل محمدؐ کو زندگی اور فطرت کی اعلیٰ اقدار کا منبع قرار دیا ہے وہاں انہوں نے جدید شعری تقاضوں کے حوالے سے نئے استعاروں' علامتوں' تشبیہوں اور محاکات کے پس منظر میں نئے تخلیقی پیش منظر اجاگر کیے ہیں۔(۳۹)''

مرثیہ ''**جوہرِ وراثت**'' کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

فضا ہے شامِ غریباں کا بار اٹھائے ہوئے   زمیں پہ بیبیاں بیٹھی ہیں سر جھکائے ہوئے
ردا نہیں ہے تو بالوں سے منہ چھپائے ہوئے   وفورِ شرم سے مقتل سے رُخ پھرائے ہوئے
یتیم بچوں کے اب پاس کیوں نہیں آتے
مدد کا وقت ہے عباسؑ کیوں نہیں آتے

یہ رات عالمِ احساس میں نرالی ہے   بساطِ درد پہ مائیں ہیں گود خالی ہے
جہاں نے رسمِ اذیت عجب نکالی ہے   ردا کے پاؤں میں زنجیر درد ڈالی ہے
کسی نے کب یہ ستم ہائے برملا دیکھے
غیور بھائی ہو بہنوں کو بے ردا دیکھے

نماز فرض ہے وہ بھی ادا کرے زینبؑ   پڑا ہے غش میں بھتیجا دوا کرے زینبؑ
ستم اٹھائے کہ ردِ بلا کرے زینبؑ   اکیلی جان ہے صحرا میں کیا کرے زینبؑ
نبیؐ کے گھر کی حفاظت کا انتظام کرے
خود اپنا کام بھی' عباسؑ کا بھی کام کرے

---

(۳۹) حسن رضوی' ڈاکٹر' ''وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں احساسِ تحیّر'' مشمولہ ''العطش'' (جلد سوم)' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۲۲۴

ذرا کوئی علی اکبرؑ کے کان میں کہہ دے — پھوپھی کی چھن گئی چادر کھڑی ہے سر ننگے
بہن کے لے گیا کوئی اُتار کر بندے — لگی وہ آگ کہ اصغرؑ کے جل گئے کرتے

لہو کے رشتے کا انجام درد ناک ہوا
بہن نے بھیجا تھا جو خط وہ جل کے خاک ہوا

اندھیری رات ہے' پردیس ہے' فضا مغموم — زمین گرم پہ بکھرے ہیں مصطفیٰؐ کے نجوم
پکارتی ہے سکینہؑ جو یا شہِؑ مظلوم — اٹھا کے گود میں کہتی ہیں پیار سے کلثومؑ

پدر کی راہ میں دنیا کے سو جھیلے ہیں
گئے ہیں دشت میں' اصغرؑ وہاں اکیلے ہیں

اب ذیل میں سید وحید الحسن ہاشمی کے تیسرے مجموعے ''العطش'' (جلد سوم) میں شامل مرثیوں کے حوالے سے چند معروضات پیش خدمت ہیں:

۱۸۔ آقائے ابوالقاسم خوئی"

''آقائے ابوالقاسم خوئی'' نامی مرثیہ ۱۹۹۲ء میں کہا گیا اور ۱۹۹۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر العطش (جلد دوم) کی زینت بنا۔ یہ مرثیہ ۳۷ بندوں پر مشتمل ہے۔

اُردو میں شخصی مرثیوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے' تاہم اہل بیتؑ کی مداحی کرنے والے شعراء شخصی مرثیوں سے گریز کرتے رہے ہیں۔ اس حوالے سے میر انیسؔ کا یہ شعر زباں زد عوام وخاص ہے۔

غیر کی مدح کروں شہؑ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

جناب نسیمؔ امروہوی نے جوشؔ کا مرثیہ کہہ کر شخصی مرثیوں کو ایک نیا رنگ دیا۔ اسی طرح جناب قیصرؔ بارہوی نے بھی شخصی مرثیے رقم کیے۔ وحید الحسن ہاشمی نے ایک مدت تک شخصی مرثیوں سے گریز کیا تاہم بعض وجوہ سے وہ اس روایت کو برقرار نہ رکھ سکے اور آیت اللہ آقائے ابوالقاسم خوئی کی عظیم شخصیت پر مرثیہ رقم کیا۔ اس اعتبار سے یہ وحید الحسن ہاشمی کا اوّلیں

شخصی مرثیہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

''آقائے ابوالقاسم خوئی'' نامی مرثیہ میں شاعر نے انسان کو خالقِ کائنات کا نور قرار دیا ہے۔ یہی انسان ہر زمانے میں دلیلِ عظمتِ معبود بنا۔ اللہ نے اسے منزلِ برکات کے لئے پیدا کیا اور اس کی زبان سے خود کلام کرنے لگا۔

شاعر کا موقف یہ ہے کہ اشرف المخلوقات انسان اپنے عمل کی بنیاد پر بلند رتبہ کا حامل قرار پاتا ہے۔ تاہم شاعر کے نزدیک عمل کے ساتھ اگر علمِ دین نہ ہو تو ہر عمل بے مصرف ہے۔ یہی سبب ہے کہ عالم اس کائنات میں حُبِ اہلِ بیتؑ دل میں بسا کر سرفراز ہو جاتا ہے۔

اس استدلالی تمہید کے بعد شاعر نے نجف کے معروف عالم آیت اللہ ابوالقاسم خوئی کے فضائل بیان کئے ہیں اور مذہب کے لئے ان کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں شاعر نے کرب و بلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ کے سفرِ آخرت کا نقشہ انتہائی دل گداز انداز میں کھینچا ہے۔ یہ مرثیہ ربط و تسلسل کے اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔

''آقائے ابوالقاسم خوئی'' نامی مرثیے کے حوالے سے پروفیسر باقر علی شاہ رقمطراز ہیں:

> ''ــــــ سینتالیس بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ شخصی مرثیے اور واقعۂ کربلا سے متعلق مرثیے کو آمیخت کرنے کی سعیٔ جمیل ہے۔ اردو مرثیے میں ہر دو انداز کے مراثی میں ایک حدِ امتیاز موجود ہے اس کا سبب شاید یہ ہو کہ شخصی مرثیہ جن افراد کے بارے میں لکھا جاتا رہا ہے ان میں شعرائے کرام کو بالعموم کردارِ حسینؑ کی جھلک نظر نہ آتی ہو۔ وحید الحسن ہاشمی نے جس شخصیت کے حالات و کردار کو شخصی مرثیے کے لیے منتخب کیا وہ عراق کی سرزمین پر عزم و حریت کا ایک روشن باب رقم کرنے والی ہستی ہے جو درسِ کربلا کا نتیجہ ہے۔ وحید الحسن ہاشمی مرثیہ نگاری کو سامعین اور قارئین کے تزکیۂ نفس کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کے یہاں یہ مقصدیت بڑی واضح ملتی ہے لیکن اس سے ان کی مرثیہ نگاری کی شعریت اور ان کا

فن متاثر نہیں ہوتا۔ یہ معمولی بات نہیں۔ عام طور پر جدید مرثیہ نگاروں میں مقصدیت اس قدر غالب نظر آتی ہے کہ مرثیہ محض واقعاتی اور اخلاق آموز نظم بن کر رہ جاتا ہے اس کے برعکس وحید الحسن ہاشمی مرثیے کی فنی تعمیر، فن اور مقصد کی وحدت، نیز اثر و تاثیر کا بالخصوص خیال رکھتے ہیں۔ پیش نظر مرثیے میں اپنے موضوع کو جس طرح مرحلہ وار فنکارانہ چابکدستی سے پیش کیا ہے یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں (۵۰)——"

مرثیہ "**آقائے ابوالقاسم خوئی**" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

زینبؑ مرے گلے سے جو نکلے لہو کی دھار گھبرا کے ننگے سر نکل آنا نہ زینہار
گھر لوٹنے کو آئیں جو ظالم ستم شعار بیمار کربلا مرے عابدؑ سے ہوشیار
یہ بات بھولنا نہ بہن تشنہ کام کی
چادر کو دے کے جان بچانا امامؑ کی

یہ کہہ کے آئے بستر بیمار کے قریں ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے کہا میرے نازنیں
اٹھو کہ تم سے ملنے کو آیا ہے یہ حزیں یہ کیا پدر بلاتا ہے تم بولتے نہیں
دشواریاں بہت ہیں محبت کی راہ میں
مل لو کہ پھر ملوں گا تمہیں قتل گاہ میں

سن کر لب پدر سے مصیبت کی گفتگو چشم مریض غم سے ٹپکنے لگا لہو
آیا جو روئے شہؑ پہ نظر خون آرزو بستر پہ اٹھ کے ہاتھ میں لی تیغ شعلہ خو
بولے کہ رن میں باپ کی نصرت کو جاؤں گا
بدلہ لہو کا لے کے میں خیمے میں آؤں گا

---

(۵۰) باقر علی شاہ، پروفیسر (تجزیہ) "آقائے ابوالقاسم خوئی" مشمولہ العطش (کلیات مراثی)، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

بابا اکیلے آپ ہیں عمّو کہاں گئے　　کیوں زخم آئے اکبرؑ مہ رو کہاں گئے
چھوڑا چچا کو قاسمِ خوش خو کہاں گئے　　جن سے تھی قتل گاہ میں خوشبو کہاں گئے
قسمت کسی کو ایسی نہ دکھلائے ٹھوکریں
زندہ جواں پسر ہو پدر کھائے ٹھوکریں

کہنے لگے حسینؑ کہ اے میرے دلربا　　لو یہ امامت شہِ کونین میں چلا
اب تم ہو اور آلِ محمدؐ کا قافلہ　　ماں بہنیں بے ردا ہوں تو نظریں نہ پھیرنا
یہ سوچ کر ابھی سے نگاہوں میں شام ہے
زینبؑ ہے، تم ہو، مجمع دربارِ عام ہے

۱۹۔ شباب

''شباب'' نامی مرثیہ ۱۹۹۳ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۹۵ء میں العطش (جلد دوم) میں شامل ہوا۔ یہ مرثیہ اکسٹھ بندوں پر محیط ہے اور شاعر نے کمال ہنرمندی سے تمام بندوں کو موضوع کے ساتھ منسلک رکھنے کا فریضہ انتہائی خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔

''شباب'' نامی مرثیے میں شاعر نے شباب کو آئینہ ارتقاء کا جو ہر وقت کے آنچل میں گلِ تر اور حق کی رنگینیوں کا محور قرار دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ شباب حقیقت میں رحمتِ خداوندی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو نفوس اس رحمت کی قدر کرتے ہیں زمانہ ان کی قدر کرتا ہے اور جو لوگ شباب پرستی کی چاہ میں ڈوب جاتے ہیں زمانہ انھیں جیتے جی فراموش کر دیتا ہے۔ شاعر نے اپنے موقف کی تائید میں ایسے جوانانِ خوش خصال کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اپنی جوانیوں کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ اس سلسلے میں شاعر کی نگاہ بطورِ خاص حضرت علی اکبر علیہ السلام پر ٹھہرتی ہے۔ شاعر کو حضرت علی اکبرؑ کا روپ انتہائی نورانی دکھائی دیتا ہے۔ شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نوجوان بیٹے حضرت علی اکبرؑ شبیہِ رسولؐ کی عادات و اطوار پر روشنی ڈالی ہے۔ یہی بیٹا جب امام حسینؑ سے کربلا کے میدان میں دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے اجازت مانگتا ہے تو باپ کا دل بے تاب ہو جاتا ہے۔ اس موقعے پر شاعر نے

باپ اور بیٹے کی نفسیاتی کیفیت کا جس چابکدستی سے مرقع کھینچا ہے' وہ قابلِ داد ہے۔

شاعر نے اس مرثیے میں جناب علی اکبرؑ کی اہلِ حرم سے رخصت کا حال نہایت دردانگیز طریقے سے بیان کیا ہے۔ خصوصی طور پر علی اکبرؑ اور بیمار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی گفتگو بڑی کرب انگیز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کو مکالمہ نگاری پر پوری دسترس حاصل ہے۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ عین عالمِ شباب میں اس کڑیل جوان کو ریگزارِ کربلا پر شہید کر دیا گیا۔ شبیہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دردناک شہادت کو شاعر نے انتہائی پراثر انداز میں بیان کیا ہے۔ آخر میں شاعر نے شہادت جناب علی اکبر علیہ السلام کے نتیجے میں ہونے والے حزن و یاس کے مناظر بیان کئے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ اپنے موضوع کے تمام رخوں کا بھرپور احاطہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔

مرثیہ ''شباب'' کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض قدیر تحریر فرماتے ہیں:

''ــــــ مسدس کی ہیئت میں لکھا گیا یہ مرثیہ وحید الحسن ہاشمی کے فکری و فنی کمالات کا نقطۂ عروج ہے۔ مرثیے میں دورِ شباب کے حیاتیاتی مظاہر' تاریخی شواہد اور شباب کی مذہبی و اخلاقی توانائی اور اس کی نفسانی کیفیات کے متنوع رنگوں کو فنی چابکدستی کے ساتھ شعری پیکر میں ڈھالا گیا ہے...... وسعتِ مشاہدہ' جولانیٔ فکر' تخیل کی بلند پروازی مرثیے کے ایک ایک مصرعے میں رچی بسی ہے۔ اس پر احساس کی شدت اور جذبے کی آنچ نے پورے مرثیے میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دی ہے(۵۱)ــــــ''

مرثیہ ''شباب'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

شباب آئینۂ ارتقا کا جوہر ہے   شباب حسن کی رنگینیوں کا محور ہے
شباب وقت کے آنچل میں اک گلِ تر ہے   شباب موج ہے' طوفان ہے' سمندر ہے

---

(۵۱) ریاض قدیر' ڈاکٹر (تجزیہ) ''شباب'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

فراخ سینے میں ہر وقت جوش رہتا ہے
اسی کے رعب سے ساحل خموش رہتا ہے

شباب اگرچہ زمانے کے دام میں ہے اسیر   رواں دواں ہے مگر اس کی قوتِ تسخیر
تفکراتِ زمانہ کی توڑ کر زنجیر   عطائے حق کو سمجھتا ہے ذات کی جاگیر
بدن پہ زخم ہیں توفیقِ اندمال نہیں
وہ خواب دیکھ رہا ہے مگر خیال نہیں

تمام سود و زیاں اس کے سامنے بے سود   حصارِ زیست میں ہے اختیار لامحدود
نظر کے تار پہ دھاگے کی طرح ساری قیود   سفر سے قبل ہی حاصل ہے گوہرِ مقصود
رضائے دل سببِ انقلاب بنتی ہے
اسی کے نقشِ عمل سے کتاب بنتی ہے

تضادِ وقت کی گرہوں کو کھولتا ہے شباب   نفس کا بار نگاہوں پہ تولتا ہے شباب
سرورِ بادۂ ہستی میں گھولتا ہے شباب   زمیں پہ عرش کے لہجے میں بولتا ہے شباب
رخِ شباب کو افلاک تاب دیتے ہیں
صدا یہ دے تو ستارے جواب دیتے ہیں

شباب حسن بداماں ہے زندگی کی طرح   غذا شعور کو دیتا ہے شاعری کی طرح
عمل سے آگے ہی رہتا ہے آگہی کی طرح   بدن کے طور پہ پھیلا ہے روشنی کی طرح
شباب کا چمنِ جسم میں بسیرا ہے
یہ ظلمتِ شبِ ہجراں نہیں سویرا ہے

۲۰۔ معرفتِ ذات

''معرفتِ ذات'' نامی مرثیہ ۱۹۹۳ء میں کہا گیا اور ۱۹۹۵ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اُنسٹھ بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ ''العطش'' (جلد دوم) کی زینت بنا۔

''معرفتِ ذات'' نامی مرثیے میں شاعر نے تلاشِ ذات میں سرگرم و سرگرداں ایک

ایسے بشر کی داستان بیان کی ہے' جس کا چراغِ ضمیر بجھ چکا ہے اور وہ کشمکش ذات کے قفس میں اسیر ہو گیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ عقلمند وہ ہے جو اپنے بدن پر ردائے ذات تاننے کے بجائے حکم خدا کو پیشِ نگاہ رکھے۔ جب کوئی بشر احکامِ خدا کا تابع ہو جاتا ہے تو پوری کائنات اُس کے قدموں کی دُھول بن جاتی ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے نفس کو بیچ کر رضائے حق خرید لی۔ یہی سبب ہے کہ اب وہ پوری کائنات کے دل کی دھڑکن بن گئے ہیں۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ میدانِ کربلا میں یزید کبر و نخوت کا نمونہ بن کر اُبھرا اور حضرت امام حسین علیہ السلام حق کی معرفت لے کر میدان میں آئے۔ یہی سبب ہے کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے سجدے نے ملوکیت کا غرور توڑ کر دنیا والوں کو معرفت کا شعور عطا کیا۔

آخر میں شاعر نے شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد خانوادۂ رسالتؐ پر ہونے والے مظالم کو دلگداز انداز میں بیان کیا ہے اور حضرت زینبؑ کے المناک مصائب پیش کیے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مختصر مرثیہ موضوعاتی اعتبار سے انتہائی قدر و منزلت کا حامل ہے۔

مرثیہ ''معرفتِ ذات'' کے حوالے سے ڈاکٹر ضیاء الحسن رقمطراز ہیں:

> ''۔۔۔۔ وحید الحسن ہاشمی نے منطقی انداز میں حسینیتؑ اور یزیدیت کے فرق کو خدا پرستی و خود پرستی' حق و باطل اور عرفان ذات و اسیریِ ذات کے تضاد سے واضح کیا ہے۔ ان کی منطق فکری اور انداز شاعرانہ ہے جس کے توازن سے اثر آفرینی کی وہ فضا تخلیق ہو جاتی ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی تطہیر کرتی ہے اور اس قلب میں سوز و گداز آگہی سے عرفان کی ایک نئی روشنی پیدا کرتی ہے۔ ہاشمی صاحب کی ریاضتِ فن ایک طویل دور پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرثیہ گو شعرا میں ان کا شمار نمائندہ ترین شعرا میں ہوتا ہے (۵۲)۔۔۔۔ ''

---

(۵۲) ضیاء الحسن' ڈاکٹر' (تجزیہ) 'معرفتِ ذات' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

مرثیہ "معرفتِ ذات" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

مگر یہ غیرتِ اسلام دے جواب ذرا　　یہ کس قصور پہ چھینی گئی ہماری ردا
یہ بے سہارا یتیموں سے کیا ہوئی ہے خطا　　کہ اپنے باپ کی میت پہ کرسکیں نہ بکا
بغیر آب یہ مجبور ہوں تیمم کے لئے
پڑھیں نماز تو پانی نہ ہو وضو کے لئے

مہیب رات ہے میں بے ردا کہاں جاؤں　　بکھر گئی ہے بضاعت کہاں کہاں ڈھونڈوں
قریب آئیں تو عباسؑ سے ذرا پوچھوں　　تمہیں قبول ہے میں خاک گرم پہ سوؤں
علاجِ تشنہ دہانی کوئی نہ مانگے گا
یتیم سو گئے پانی کوئی نہ مانگے گا

کھڑی ہے قوتِ باطل کے سامنے زینبؑ　　نہ تیغ ہے نہ تبر کس طرح لڑے زینبؑ
اکیلی جان پہ کتنا ستم سہے زینبؑ　　سوال تم سے ہے عباسؑ کیا کرے زینبؑ
ہوں ختم پھول سے بچے اس انتظار میں ہو
میں کھاؤں پشت پہ دُرّے اس انتظار میں ہو

جو بعدِ عصر کی روداد ہے سنو عباسؑ　　امامِ وقت ہے غش میں مدد کرو عباسؑ
ذرا سکینہ کے رخسار دیکھ لو عباسؑ　　بہن پکار رہی ہے جواب دو عباسؑ
پدر خود آئیں گے بیٹی کی پیشوائی کو
نجف کی راہ بتا دو علیؑ کی جائی کو

کہاں چلے گئے عباسؑ چھوڑ کر دامن　　بلا کے بن میں ہے اٹھارہ بھائیوں کی بہن
حق آگہی کی سزا دے رہے ہیں یوں دشمن　　بہن بغیر ردا بھائی ہے بغیر کفن
جو اب نہ آئے تو پھر اژدہام میں آنا
بہن کو دیکھنے دربارِ شام میں آنا

۲۱۔ جوہرِ تقویٰ

''جوہرِ تقویٰ'' نامی مرثیہ ۱۹۹۴ء میں کہا گیا اور ۱۹۹۸ء میں العطش (جلد سوم) میں شامل کیا گیا۔ ساٹھ بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ شاعر کے شخصی مرثیوں کے ذیل میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

''جوہر تقویٰ'' دراصل شخصی مرثیہ ہے۔ گزشتہ صفحات میں یہ بات باور کرائی گئی تھی کہ وحید الحسن ہاشمی کے ہاں شخصی مرثیے کہنے کی روایت بہت تاخیر سے ملتی ہے۔ تاہم یہ بات پیشِ نظر رہے کہ تاریخی اعتبار سے شخصی مرثیوں کی روایت بہت قدیم ہے اور تقریباً ہر زبان میں شخصی مرثیوں کا وجود ملتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خود اپنے بیٹے ہابیلؑ کا مرثیہ کہا۔ اُردو میں غالبؔ، حالیؔ اور اقبالؔ کے مرثیے بھی شخصی مرثیوں کے ذیل میں آتے ہیں۔ انیسویں صدی کے اختتام تک شہدائے کربلا کے اس کثرت سے مرثیے کہے گئے کہ اب مرثیہ شہدائے کربلا سے مختص ہو گیا ہے۔

لکھنؤ میں پہلا شخصی مرثیہ آلِ غفران مآب کے متعلق کہا گیا۔ اسی وقت علماء نے یہ فیصلہ دیا کہ چونکہ علمائے حق نائبین امام کا درجہ رکھتے ہیں، اس لئے علمائے حق کا مرثیہ کہا جا سکتا ہے۔ اسی دور میں نسیمؔ امروہوی مرحوم نے جناب ناصر الملت مرحوم، جناب نجم الملت مرحوم آقائے محسن حکیم، جناب سعید الملت مرحوم، جوشؔ و آلِ رضا مرحومین کے مرثیے کہے۔ قیصر بارہوی مرحوم نے نسیمؔ امروہوی مرحوم کا لاجواب مرثیہ کہا۔

وحید الحسن ہاشمی نے یہ مرثیہ علامہ مصطفیٰ جوہرؔ مرحوم کے متعلق کہا، جس میں مولانا مرحوم کے تقویٰ کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی بندوں میں انسان کے کارناموں کا تذکرہ ہے، لیکن انسان کی موجودہ پریشانی کا سبب تقوے سے گریز بتایا گیا ہے۔ دنیا کو بتایا گیا ہے کہ تقوے کا مرکزِ اصلی آلِ محمدؐ ہیں، جو لوگ محمد و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افکار سے منسلک ہیں وہ بھی متقی ہیں۔ علامہ مرحوم مومن بھی تھے، متقی بھی۔ عزائے امام حسینؑ میں انہماک کی وجہ سے آپ کا قلب کربلا بن چکا تھا۔ غمِ حسین علیہ السلام میں روتے روتے آپ کی بینائی بھی خاکِ کربلا

کی نذر ہوگئی۔ آخری بندوں میں آپ کی روضۂ امام پر امام مظلوم سے گفتگو نظم کی گئی ہے۔

''جوہر تقویٰ'' نامی مرثیے کے حوالے سے حضرت شاہد نقوی تحریر فرماتے ہیں:

''۔۔۔۔ سید وحید الحسن ہاشمی صاحب کے مرثیے ''جوہر تقویٰ'' کی تخلیق کا محرک فی الاصل عظیم عالم دین حضرت مولانا محمد مصطفیٰ جوہر صاحب اعلی اللہ مقامہ کا سانحۂ ارتحال ہے جسے وحید ہاشمی کی خداداد صلاحیت نے تعزیت نامے کی حدود سے نکال کر کائناتی وسعت بخش دی ہے۔ وحید صاحب نے محدود کو لامحدود بنانے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ مولانا کی امتیازی خصوصیت تقویٰ کو موضوع بنا کر مولانا مرحوم کی ذات کو اس کا مشابہ بنایا اور پھر ان کے ذکر کو تقویٰ کے اعلیٰ ترین مرکز ومظہر محمدؐ و آل محمدؐ کے ذکر میں سلیقے سے آمیز کر دیا (۵۳) ۔۔۔۔''

مرثیہ ''جوہرِ تقویٰ'' کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

طوفان اشک و آہ سے درد اور بڑھ گیا ٹکڑے جگر کو کر گیا میدانِ کربلا
تاراجیٔ خیام پہ دل کانپنے لگا آنسو بہا کے شاہِ شہیداں سے یہ کہا
سر خم کیے عطا کا طلب گار آ گیا
مولا کرم ہو حُر کا عزادار آ گیا

تحفے میں اک کفن بھی ہے سرکار کے لئے مرہم بھی ساتھ لایا ہوں بیمار کے لئے
کچھ چادریں ہیں عترتِ اطہارؑ کے لئے لے لیں یہ دونوں ہاتھ علمدار کے لئے
بُندے ہیں بنتِ شاہؑ مدینہ کے واسطے
اک مشکِ آب بھی ہے سکینہؑ کے واسطے

---

(۵۳) شاہد نقوی (تجزیہ) ''جوہر تقویٰ'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء

سینہ وفورِ غم سے تو جلتا نہیں حضورؐ؟ گردن سے اب لہو تو نکلتا نہیں حضورؐ؟
اکبرؑ کے دل سے خوں تو اُبلتا نہیں حضورؐ؟ اصغرؑ تو منہ سے دُودھ اُگلتا نہیں حضورؐ؟
عباسؑ کے فراق میں رُخ زرد تو نہیں
اب آپ کی کمر میں کہیں درد تو نہیں

ہمت جواں دلوں کی بڑھائی ہے کس طرح؟ اپنے پسر کی لاش اٹھائی ہے کس طرح؟
ننھی سی ایک قبر بنائی ہے کس طرح؟ مٹی میں کائنات چھپائی ہے کس طرح؟
ماحولِ بیکسی سے پریشاں تو اب نہیں
چہرے پہ خونِ اصغرؑ ناداں تو اب نہیں

تیروں کے زخم اب تو بدن پر کہیں نہیں سنگ وسناں سے خوں میں تو ڈوبی جبیں نہیں
صغراؑ کے خط کا درد تو دل میں مکیں نہیں ماں تو کلیجہ پکڑے لحد کے قریں نہیں
مستور ہیں اگرچہ وہ دنیا کی آنکھ سے
آنسو تو اب رواں نہیں زہراؑ کی آنکھ سے

اب ذیل میں سید وحید الحسن ہاشمی کے ان دس مرثیوں کے بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور پہلی مرتبہ اس مجموعے میں مدون کیے جارہے ہیں۔

۲۲۔ پیری

''پیری'' نامی مرثیہ ۱۹۹۴ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۹۵ء میں العطش (جلد دوم) میں طبع ہوا۔ ساٹھ بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ موضوع کے اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ شاعر کا وصف یہ ہے کہ اس نے تمام بندوں میں ایک ربط قائم رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ابتداء سے لے کر انتہا تک موضوع کے مختلف رخوں پر روشنی پڑتی رہتی ہے۔

''پیری'' نامی مرثیے میں شاعر نے خالق کی ثناء کو محورِ عقلِ بشری قرار دیا ہے اور احساس دلایا ہے کہ ثنائے رب شب کی سیاہی میں بیاضِ سحری ہے۔ شاعر نے توحید کی عظمت بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ انسانی ذہن تو کجا انبیاء بھی توحید کی حد بندی نہیں کر سکتے۔

یہی سبب ہے کہ عقلِ انسانی میں بحرِ احد کا ساحل نہیں آ سکتا۔ شاعر کا موقف یہی ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں موجود ہیں۔ ان میں خلاقِ دو عالم کی سب سے بڑی نعمت پیری ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پیری اپنے کاندھوں پر تجربۂ زیست کا پرچم اٹھائے ہوتی ہے اور عقل و دانش سے زخمی تمنا پر مرہم لگاتی ہے۔ شاعر نے کمال مہارت سے بچپن، جوانی اور پیری کا موازنہ کر کے پیری کو سب پر فوقیت دی ہے۔ شاعر نے کہنہ سال پیمبروںؑ کی مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ نگاہِ قدرت میں پیری کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔

آخر میں شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیرانہ سالی کو اعجازِ حقیقت قرار دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ شبیرؑ کی پیری درِ فردوس کی مفتاح، شبِ عاشور کا مصباح اور مرضِ کفر کی اصلاح ہے۔ شاعر نے انتہائی دل سوز انداز میں کرب و بلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیری کے مختلف مظاہر بیان کیے ہیں۔ شاعر نے اس منظر کی بطورِ خاص نہایت عمدہ تصویر کشی کی ہے، جس میں جناب علی اکبرؑ امام عالی مقام سے اذنِ وغا طلب کرتے ہیں۔

آخر میں شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہزادہ علی اکبرؑ کی لاش کی جانب سفر کرتے دکھایا ہے اور ان کیفیات کا اظہار لفظوں میں کیا ہے، جنھیں محسوس کرنا عام قاری کے بس کی بات نہیں ہے۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ شروع سے آخر تک ایک حزنیہ فضا رکھتا ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ اس نے موضوع کا دامن اپنے ہاتھ میں تھامے رکھا ہے۔

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے ''پیری'' کے حوالے سے ڈاکٹر عارف ثاقب کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

> ''۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی کائنات پر بے شمار رحمتیں ہیں۔ ہاشمی صاحب کے نزدیک پیری بھی ایک ایسی ہی نعمت ہے جو انسان کی تاریخ کی رازداں اور زندگی کے تجربوں کا نچوڑ ہے۔ پیری کے انھیں اوصاف کو حیطۂ تحریر میں لانے کے لیے ہاشمی صاحب نے بچپن اور جوانی کے تجربات کی تجسیم کرتے ہوئے انھیں پیری سے ممیز کیا ہے۔ روشنی، فکر، فراست،

اور اک اور ہر قید و بند سے آزاد بڑھاپا ہاشمی صاحب کے نزدیک شعور
اور فکر کا مرکز ٹھہرتا ہے اور اسی عہد سے کئی عہد آغاز ہوتے ہیں
"——(۵۴)

مرثیہ "پیری" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

پیری بھی ہے اک نعمتِ خلاقِ دو عالم   انسان کی تاریخ کے ہر دور کی محرم
کاندھوں پہ لئے تجربۂ زیست کا پرچم   ہر زخمِ تمنا پہ لگاتی ہوئی مرہم
زندانِ خیالات کے در کھول رہی ہے
بولا نہیں جاتا ہے مگر بول رہی ہے

بچپن میں کہاں حق کی عنایات کا احساس   اعمال کی کچھ قدر نہ افعال کا کچھ پاس
آنکھوں میں حریفانہ لپک ذہن میں وسواس   بازیچۂ اطفال سے مشروط ہر اک آس
کچھ بھی ہو عمل اپنا دکھا دیتا ہے بچپن
زر چھوڑ کے انگارہ اٹھا لیتا ہے بچپن

احساسِ جوانی کے وہ بے باک نظارے   حرکت وہ نظر سوز کہ شرمائیں ستارے
وہ عیش کے ارمان تکبر کے سہارے   بندوں کو سمجھتا ہے کہ محکوم ہیں سارے
ہاتھوں میں کمانیں ہیں کوئی تیر نہیں ہے
خواب اس کے مقدر میں ہیں تعبیر نہیں ہے

پیری میں یہ مانا کہ نہیں طاقتِ رفتار   ہو جاتا ہے کم ولولۂ قوتِ پیکار
نسلوں کے تفاخر کا بھی گر جاتا ہے معیار   جذبات ہوں خستہ تو تھکن ہوتی ہے بیدار
کیا کیا نہ زمانے کو بڑھاپے سے گلے ہیں
اک پیرِ کہن سال میں سو عیب ملے ہیں

---

(۵۴) عارف ثاقب ڈاکٹر (تجزیہ) "پیری" مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء

جو عیب گنائے گئے پیری کے مقابل وہ کیفیتیں فطرتِ حیواں میں ہیں شامل
گر مقصدِ تخلیقِ بشر ہیں یہ مشاغل مخلوق میں انسان ہو کیوں افضل و کامل
جس بات پہ انساں کو یہ اعزاز ملا ہے
وہ عقل کا جوہر ہے جو پیری کا عصا ہے

۲۳۔ شخص و شخصیت

''شخص و شخصیت'' نامی مرثیہ ۱۹۹۴ء میں مکمل ہو کر ۱۹۹۵ء میں العطش (جلد دوم) کی زینت بنا۔ یہ مرثیہ کل چونسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ شاعر نے انتہائی فنکاری اور مہارت کے ساتھ ان بندوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

''شخص و شخصیت'' نامی مرثیہ میں شاعر نے شخصیت کو تکملۂ جذبۂ انسانی اور خاصۂ نعمتِ ربانی قرار دیا ہے۔ شاعر نے احساس دلایا ہے کہ عظیم شخصیت بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لئے وقف ہوتی ہے۔ وہ فنکار کی عظمت کے لئے ہمہ وقت دل بچھاتی ہے اور قوموں کو کردار کی حرارت بخشتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسندِ ہستی پہ شخصیت شہنشاہی کرتی ہے۔ شاعر نے واضح کیا ہے کہ عظیم شخصیت فکرِ حق کی مدد سے کسی بھی شخص کی تقدیر بدل دیتی ہے۔ شاعر نے انتہائی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شخص اور شخصیت میں موجود فرق کی وضاحت نہایت سلیقے سے کی ہے۔ شاعر کے نزدیک شخصیت خوابِ حق آگاہ ہے اور شخص تعبیر۔ شخصیت فکر ہے اور شخص تاثیرِ فکر۔ شخصیت حاصل تقدیر ہے اور شخص تدبیر۔ شخصیت ذہنِ مصور ہے اور شخص تصویر ہے۔ شاعر نے ان فلسفیانہ نکات کے بعد واضح کیا ہے کہ اس کائنات میں شخصیت کلمۂ حق اور شخص لبِ اظہار، شخصیت مرضیِ شبیر اور شخص خریدار، شخصیت عفو گنہ اور شخص حرؑ وفادار ہوتا ہے۔ یہ شعر پورے مرثیے کا رُخ تبدیل کرتا ہے۔

حرؑ جو اک شخص تھا دیوارِ الم سے لپٹا
شخصیت بن گیا ہے جب شہؑ کے قدم سے لپٹا

شاعر نے حضرت حرؑ کی شخصیت کے بے شمار رُخ اُجاگر کیے ہیں۔ خاص طور پر ان

کے ذہن وقلب میں ہونے والی کشمکش کو نہایت فنکاری سے بیان کیا ہے۔آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں جناب حرؑ کی شہادت کو نہایت سلیقے سے بیان کیا ہے۔مجموعی طور پر یہ مرثیہ شاعر کی فلسفیانہ سوچ کا غماز ہے۔

''شخص وشخصیت'' نامی مرثیے کے بارے میں ڈاکٹر طارق عزیز کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

> ''___''شخص وشخصیت'' کے مطالعہ سے یہ جاننے میں مدد ملتی ہے کہ انسانی زندگی میں اعتراف کی کیا اہمیت ہے اور اعتراف کا عمل شخصیت سازی میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔کوئی شخصیت اس وقت تک مثبت انداز میں تکمیل آشنا نہیں ہو سکتی جب تک وہ استغفار کے عمل سے نہ گزرے۔توبہ کے لیے اعتراف اور اعتراف کے لیے پشیمانی لازمی ہے۔پشیمانی وہ جذبہ ہے جو انسان کے اندر خود اپنا محاسبہ کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے اور اسے بنیادی اقدار سے اعلیٰ اقدار کی طرف رجوع کرنے پر ابھارتا ہے۔اعلیٰ اقدار کی جو بھی تعریف کی جائے اس میں صداقت' خیر اور حسن کو ہمیشہ اولیت حاصل رہے گی۔حضرت حرؑ کی پشیمانی بھی انہیں چند روزہ زندگی کے سطحی پن سے بلند کر کے اقدار اعلیٰ کی طرف مائل اور ان کا قائل کرتی ہے لیکن اس پشیمانی سے پہلے احتساب ذات کا مرحلہ آتا ہے۔انسان کے اندر ایک اور انسان جاگ اٹھتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔کشمکش ذات کی اس کیفیت کو وحید الحسن ہاشمی نے جس مہارت اور عمدگی سے پیش کیا ہے وہ انسانی نفسیات سے ان کی گہری وابستگی کا ثبوت ہے(۵۵)___''

---

(۵۵) طارق عزیز' ڈاکٹر (تجزیہ) ''شخص وشخصیت'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

مرثیہ "شخص و شخصیت" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

حُر کے بہتے ہوئے اشکوں نے یہ سرورؑ سے کہا
اے خطا پوشِ جہاں اے خلفِ عقدہ کشا
اس گنہگار نے سادات پہ جو ظلم کیا
میرے مولاؑ مجھے دے دیجئے اب اس کی سزا
ظلم تہذیب مودّت کو بگاڑا میں نے
ہائے زہراؑ کے بھرے گھر کو اجاڑا میں نے

خشک ہوتی ہیں جو کلیاں یہ خطا میری ہے
ننھے بچے جو ہیں بے جاں یہ خطا میری ہے
بیبیاں ہیں جو پریشاں یہ خطا میری ہے
بنت زہراؑ جو ہیں گریاں یہ خطا میری ہے
قبر میں بنتِ پیمبرؐ کو ستایا میں نے
مسکراتے ہوئے بچوں کو رلایا میں نے

باگ جس ہاتھ سے پکڑی تھی اسے کردیں قلم
کہیئے عباسؑ سے خنجر سے نکالیں مرا دم
خاک کردیں علی اکبرؑ مرا سب جاہ و حشم
میں اسی اجر کے لائق ہوں پیمبرؐ کی قسم
دل میں ٹھانی ہے ادھر اور نہ ادھر جاؤں گا
آپؑ کا نقشِ قدم چوم کے مر جاؤں گا

دیکھ کر حُر کی پشیمانی دل کا منظر
شہؑ نے خود اس کے بندھے ہاتھوں کو کھولا بڑھ کر
لے کے رومال میں مہمان کے اشکوں کے گہر
بحرِ الطاف نے دی موج پریشاں کو خبر
دشتِ غربت میں اعانت کا صلہ دیتی ہیں
حُر خبر ہے مری ماں تجھ کو دعا دیتی ہیں

تیری توبہ ہی ترے عفوِ گنہ کی ہے سبیل
تری آمد مرے موقف کی ہے مضبوط دلیل
تو نے چھوڑی ہے زمانے کے لئے وہ تمثیل
اب نہ جابر کے کسی حکم کی ہو گی تعمیل
سارے عالم کی نگاہوں میں بہادر تو ہے
میں حسینؑ ابن علیؑ کہتا ہوں اب حُر تو ہے

۲۴۔ کشمکش

"کشمکش" نامی مرثیہ ۱۹۹۵ء میں کہا گیا اور العطش (جلد سوم) میں ۹۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مرثیہ کل اٹھاون بندوں پر مشتمل ہے اور ہر بند دوسرے بند سے منسلک ہے۔

"کشمکش" نامی مرثیے میں شاعر نے ذہن کی اُلجھی ہوئی قوت کو کشمکش قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمکش ایک نفسیاتی مضمون ہے، جس کی تشریح ماہرین نفسیات نے مختلف انداز میں کی ہے۔ شاعر نے مرثیے کے ابتدائی بندوں میں بتایا ہے کہ انسان کے دل میں کشمکش کیوں اور کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ متعدد وجوہات اور حوالہ جات کے ذریعے مرثیہ نگار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کشمکش ہمیشہ ظالموں، بدخواہوں، جابروں اور کور چشموں کے قلوب میں جنم لیتی ہے جو پاک اور شفاف قلوب رکھنے والے انسان ہیں، وہ کبھی بھی کشمکش میں گرفتار نہیں ہوتے۔ چونکہ ان کے دلوں کا آئینہ صاف ہوتا ہے، اور ان کی نظروں کے سامنے یقین کامل کی منزل ہوتی ہے، اس لئے ان کا ہر فیصلہ اصولی اور اٹل ہوتا ہے۔

شاعر نے ایک ماہر نفسیات اور بالغ نظر شاعر کی حیثیت سے بڑے خوبصورت انداز میں مرثیے کے تسلسل کو برقرار رکھا اور یہ بتایا کہ کشمکش رکھنے والا کردار یزید تھا اور یقین کامل کے حامل حضرت امام حسین علیہ السلام تھے۔ بحیثیت امام نواسۂ رسول کا فرض تھا کہ کوفیوں اور شامیوں کے دلوں میں کشمکش جو فساد پیدا کر رہی ہے، دُور کر کے اصلاح حال کی کوشش کریں۔ اس مقام پر مرثیہ نگار نے یزیدی کردار کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے کہ الفاظ سے کشمکش کی فضا صاف نظر آتی ہے اور یہی شاعر کا کمال ہے۔

اختتامی بندوں میں حضرت امام حسینؑ اپنے منصوبے کو مکمل کرنے کیلئے اپنی بہن جناب زینبؑ اور اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو لیکر کربلا جاتے ہیں اور اپنی قربانی پیش کر کے سرخرو ہو جاتے ہیں۔ مصائب میں شدت لانے کے لئے شاعر نے جناب زینبؑ کی وہ گفتار نظم کی ہے، جو آپ نے حضرت عباسؑ کی لاش کے قریب فرمائی تھی۔ اس مقام پر بھی شاعر نے ایسے پُر درد اور پُر اثر الفاظ استعمال کئے ہیں، جن سے سخت دل والا بھی آنسو بہانے

پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیہ ''کشمکش'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''—— جدید مرثیہ میں جوش ملیح آبادی سے چلیں تو سید آل رضا، نجم آفندی جیسے اسما کی کہکشاں نظر آتی ہے اور سید وحید الحسن ہاشمی بھی اسی کہکشاں کے کوکب تابندہ ہیں۔ اگرچہ انہوں نے غزلیں بھی کہیں مگر ان کی اصل پہچان مدحت اہل بیتؑ ہے۔ مراثی کے متعدد مجموعوں کے ساتھ انہوں نے پنجاب کے مرثیہ نگاروں پر ایک تحقیقی کتاب بھی تالیف کی ہے۔

''کشمکش'' کے عنوان سے سید وحید الحسن ہاشمی کا اٹھاون بند پر مشتمل مرثیہ اگرچہ ''ذکر مصائب حضرت زینبؑ'' کے لیے وقف ہے مگر ہاشمی صاحب نے حضرت زینبؑ کی شخصیت کا وسیع تناظر میں مطالعہ کرتے ہوئے مرثیہ کو رونے رلانے کی سطح سے بلند کرتے ہوئے علم و عرفان پر ایک موثر نظم میں تبدیل کر دیا (۵۶)——''

مرثیہ ''**کشمکش**'' کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

کشمکش ذہن کی الجھی ہوئی قوت کا ہے نام　　دو مفادات کے ٹکراؤ کی حالت کا ہے نام
جسم انساں میں پراگندہ طبیعت کا ہے نام　　کشمکش خود سے بگاڑی ہوئی قسمت کا ہے نام
برق حس جب نہ تڑپتی ہے نہ دم لیتی ہے
کشمکش ایسی ہی صورت میں جنم لیتی ہے

خواہشوں کا دل انساں میں خزانہ ہے بھرا　　ایک کا دوسری خواہش سے جدا ہے جلوا
طالب زر ہے کوئی کوئی ابوذرؓ پہ فدا　　کوئی پابند جفا کوئی پرستار وفا

---

(۵۶) سلیم اختر، ڈاکٹر (تجزیہ) ''کشمکش'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

جب معیّن نہیں اک راستہ منزل کے لئے
یہ دو رنگی ہے غذا کشمکش دل کے لئے
یوں بھی ہوتا ہے کہ ارمانِ دلی سب ہیں لطیف
ان کا رجحان مساعد ہے تو میلان شریف
نہ تصور ہے نجس اور نہ خیالات کثیف
مگر اظہار ہو کیسے کہ ہے ماحول حریف
سختیٔ دہر کسی کو جو سزا دیتی ہے
کشمکش ذہن کو مفلوج بنا دیتی ہے
کبھی خطرات سے ہوتا ہے جب انسان دوچار
گھیر لیتا ہے اسے چار طرف سے ادبار
توڑنے کے لئے بڑھتا ہے وہ دہشت کا حصار
غم و اندوہ سے ملتی نہیں جب راہِ فرار
پھر مصیبت نہ مسرت کو وہ پہچانتا ہے
حد تو یہ ہے کہ مرض ہی کو دوا جانتا ہے
ذہن میں فیصلہ کرنے کی جو قوت نہ رہے
بس یہی فکر ہو کیا بات کہے کیا نہ کہے
موجِ دریا اسے جس سمت بہائے وہ بہے
غم کے منجدھار میں لہروں کے تھپیڑوں کو سہے
دور جو کر نہ سکے ذات کی ناداری کو
کشمکش کہتے ہیں اس ذہن کی بیماری کو

۲۵۔ کربلا کربلا

''کربلا کربلا'' نامی مرثیہ ۱۹۹۵ء میں تخلیق ہو کر ۱۹۹۸ء میں طبع ہوا اور ''العطش'' (جلد سوم) کی زینت بنا۔ یہ مرثیہ باون بندوں پر مشتمل ہے۔

''کربلا کربلا'' نامی مرثیے میں شاعر نے عصرِ حاضر کے دل و جگر، فکر و نظر بلکہ مکمل بشر کو زخمی قرار دیا ہے۔ شاعر نے اس مرثیے کے ابتدائی بندوں میں معاشرے اور اس میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں کی پست ہمتی اور کشاکش کا نقشہ نہایت خوبی اور چابکدستی سے کھینچا ہے۔ شاعر نے بتایا ہے کہ زمانہ حال کا انسان محبت اور اخوت سے دور ہو گیا ہے۔ اس پر خوف اور ہراس کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ معاشرے میں اہلِ علم کی تذلیل اور جہلا کی توقیر ہو

رہی ہے۔شاعر نے اس پستی کا سبب یہ بتایا ہے کہ نصاریٰ اور یہود نے پوری کاوش سے مسلمانوں کے خلاف اتحاد قائم کر لیا ہے۔ملک کے غداروں کو جاہ و منصب دے کر خرید لیا گیا ہے۔اب حالت یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا خون بہا رہا ہے۔جن بہادر اور خوددار اشخاص نے ان مغربی حیلہ گروں سے بغاوت کی انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔اس کشمکش میں کربلا والوں کو یاد کرنا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہے۔شاعر نے کربلا کو ایک جیتا جاگتا معجزہ اور کربلا کے شہیدوں کو روشنی کا مینار کہا ہے۔

کربلا کے انہی شہیدوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایک ششماہا بچہ علی اصغرؑ بھی تھا' جو کہنے کیلئے تو ایک بچہ تھا مگر اس کی شہادت نے تاریخ کربلا کی کتاب کو روشن اور منور کر دیا۔اس بچے کی جانبازی اور قوتِ برداشت کا تذکرہ شاعر نے نہایت احتیاط اور بلیغ انداز میں کر کے اپنی قادر الکلامی کا لوہا منوا لیا ہے۔آخر میں اس صغیر اور کمسن کی شہادت اور شہادت سے پیدا ہونے والے اثرات کا بڑے پردرد انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

''کربلا کربلا'' نامی مرثیے کے حوالے سے پروفیسر ظفر چشتی رقمطراز ہیں:

> ''ـــــــــ ہاشمی صاحب کا عقیدہ ہے کہ شعروادب اور فکروفن کو'' کربلا'' سے اعتبار اور وقار حاصل ہوتا ہے اور وہ فکروفن اور شعروادب بیکار اور بے سود ہے جس میں ''شعورِ کربلا'' موجود نہ ہو۔میں سمجھتا ہوں کہ ہاشمی صاحب نے اسی شعورِ کربلا سے اپنے اس مرثیے کے شعری لوازمات کو جلا بخشی ہے۔شاعرانہ فن کے اعتبار سے ''کربلا کربلا'' ایک اعلیٰ شعری نمونہ ہے۔تلازمے اور صنائع بدائع جگہ جگہ اپنے جلوے دکھاتے ہیں خصوصاً صنعت تضاد سے ہاشمی صاحب نے بہت کام نکالا ہے۔''صبح عاشور کہاں اور کہاں شام پرست'' اور ''کمسنی اور یہ اصغرؑ کا جہادِ اکبر'' جیسے مصرعے اس صنعت میں دائمی حیثیت رکھتے ہیں۔اس مرثیے کی

بہت سی تراکیب اُردو شاعری کے دامن پر خوبصورت گل بوٹوں کا
اضافہ ہیں(۵۷)——''

مرثیہ ''کربلا کربلا'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

کربلا مدرسۂ فکر ہے قوموں کے لئے — مرکزِ جوشِ مہمات ہے جذبوں کے لئے
دل کی تسکین ہے یہ درد کے لمحوں کے لئے — ہم تو کیا جائے زیارت ہے رسولوں کے لئے
اس کے ادراک سے ملت کو بقا ملتی ہے
اس کی باتوں سے تمدن کو غذا ملتی ہے

کربلا مرہمِ زخمِ دلِ احرارِ جہاں — اس کے ہر ذرے میں پنہاں ابدیت کا نشاں
اس کی خاموشی پہ موسیٰؑ کا تکلم قرباں — دامنِ عرش سے پیوستہ ہے اس کا داماں
بارشِ ابرِ حقیقت کی پھواریں ہیں یہاں
گلشنِ شاہِ مدینہؐ کی بہاریں ہیں یہاں

کربلا کی رُخِ عالم پہ نظر ہوتی ہے — اس کی خیرات پہ شاہوں کی بسر ہوتی ہے
خاک بھی اس کی بڑی زود اثر ہوتی ہے — اس کی اک شام سے سجدوں کی سحر ہوتی ہے
کوئی دھبہ نہیں اس کے جسدِ پُر خوں پہ
ایک بھی نحس ستارا نہیں اس گردوں پہ

کربلا سلسلۂ فکر و عمل کی معراج — دیکھنے میں ہے فقط خاک مگر عرش مزاج
اسکی ٹھوکر پہ کہیں تخت پڑے ہیں، کہیں تاج — جو نہیں مانتے ان سے بھی یہ لیتی ہے خراج
رشکِ افلاک ہیں پُرنور نظارے اس کے
ڈوبتے ہی نہیں دن کو بھی ستارے اس کے

---

(۵۷) ظفر چشتی، پروفیسر (تجزیہ) ''کربلا کربلا'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)، لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

کربلا آلِ محمدؐ کی وجاہت کا شباب کربلا اہرمنِ شام کی طاقت کا جواب
کربلا دفترِ جذبات، تعقل کی کتاب کربلا بیچ سے ہٹ جائے تو اعمال خراب
اس سے تہذیب طہارت کا پتا ملتا ہے
دل میں یہ ہو تو عبادت کا مزا ملتا ہے

۲۶۔ ادب اور ادیب

''ادب اور ادیب'' نامی مرثیہ ۱۹۹۵ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۹۸ء میں العطش (جلد سوم) کی زینت بنا۔ پچپن بندوں کو محیط یہ مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔

''ادب اور ادیب'' نامی مرثیے میں مختلف زاویوں سے ادیبوں کے معیار اور ان کے مرتبے کا تعین کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ادیب خلقتِ آدم کا نگہبان اور کشتِ بینش کے لئے ابرِ باراں ہے۔ اس کا قلم وقت کی رفتار کے ساتھ چلتا ہے اور اس کی تحریر سے افکار میں جان پڑ جاتی ہے۔ ان محاسن کے ساتھ شاعر نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ ادیب کہلانے کا مستحق نہیں جس کا جوہرِ فن بے آب ہو۔ ادیب کے گلزار میں بغض و تعصب کے شجر نہیں اُگتے۔ اس کی تسبیح میں صلح و امن کے دانے ہوتے ہیں۔ تمام عمر وہ انہی دانوں سے اپنی تسبیح گوندھتا رہتا ہے۔ مدح میں اس کا قلم دعبلِ خزاعی اور ہجو میں رفیع سوداؔ کے قلم کی مثل ہو جاتا ہے۔

شاعر نے حضرت علیؑ کو بے مثل ادیب اور نہج البلاغہ کو ادب کی بہترین کتاب تسلیم کیا ہے۔ اس کتاب سے زبان دانی کا لطف، لفظوں کی فراوانی کا علم اور توحید و رسالت کے اسرار و رموز کا مزہ ملتا ہے۔ نہج البلاغہ نثر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اگرچہ اس کتاب سے قبل قرآنِ کریم نثر ہی میں موجود تھا، مگر قرآن میں اجمال و اختصار ہے جبکہ نہج البلاغہ میں تفصیل اور تشریح ہے۔

آخر میں شاعر نے بتایا ہے کہ خطیبِ سلونی کی بیٹی حضرت زینبؑ نے جابر اور قاہر بادشاہ کے سامنے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا، جس کی گونج سے ایوانِ ابنِ زیاد اور دربارِ یزید میں تلاطم آ گیا۔ مرثیے کا تسلسل بتاتا ہے کہ اس کا پلاٹ نہایت چابکدستی اور بڑے غور و فکر سے تشکیل دیا گیا ہے۔

''ادب اور ادیب'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالکریم خالد تحریر فرماتے ہیں:

''—— سید وحید الحسن ہاشمی کا قلم ادیب کو جس مسند عالی پر سرفراز کرتا ہے وہ ایک ادیب کے لیے باعث تکریم بھی ہے اور سراپا ناز بھی۔ ادیب کا خامۂ ہنر مند اپنے خون جگر سے جس چمنِ خیال کی آبیاری کرتا ہے اس کے برگ و بار اور گلہائے نوشگفت کی مہکاروں میں باب العلم کے افکار و گفتار کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ افکارِ علیؑ کی تابانی سے آج بھی گلشنِ ادب ضیا بار ہے۔ ان افکار سے ہر عہد کے ادیب نے روشنی حاصل کر کے اپنی تحریر کو اعتبار بخشا ہے۔ یہی روشنی سرِ دربار شام شامِ غریباں کی شفق بن کر سیدہ زینبؑ کے لہجے میں اتر آتی ہے اور ظلمت شب کے سارے حیلوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے(۵۸) ——''

مرثیہ ''ادب اور ادیب'' کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

شاملِ حلقۂ اربابِ تمنا ہے ادیب　　　آج کے دور میں روشن گر فردا ہے ادیب
خودنمائی کی ہر اک شب کا سویرا ہے ادیب　　　مرضِ جہل کا خاموش مسیحا ہے ادیب
مضمحل قوم کا دل ہو تو دوا دیتا ہے
روح سونے پہ مصر ہو تو جگا دیتا ہے

کلفتوں میں دلِ انساں کا سہارا ہے ادیب　　　درد میں عاقبتِ جاں کا اشارا ہے ادیب
بحرِ افکار پریشاں کا کنارا ہے ادیب　　　گرد شب کے لئے صبح کا تارا ہے ادیب
چپ جو رہتا ہے تو فطرت پہ نظر ہوتی ہے
بولتا ہے تو شبِ غم کی سحر ہوتی ہے

---

(۵۸) عبدالکریم خالد (تجزیہ) ''ادب اور ادیب'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

قلبِ صادق کے ہر احساس کا حامل ہے ادیب
رفعتِ جذبۂ خوددار کا حاصل ہے ادیب
ہر ادب سنگِ رہِ شوق ہے منزل ہے ادیب
جسمِ دانش کا دھڑکتا ہوا اک دل ہے ادیب
اس کی تحریر سے افکار کو جاں ملتی ہے
اس کی تقریر سے گونگوں کو زباں ملتی ہے

مقصدِ خلقتِ آدم کا نگہباں ہے ادیب
کشتِ بینش کے لئے رحمتِ باراں ہے ادیب
چارہ سازِ شکنِ گردشِ دوراں ہے ادیب
مرضِ مصلحت آرائی کا درماں ہے ادیب
نہ کسی شاہ نہ طاقت کے پرستار کے ساتھ
اس کا خامہ ہے رواں وقت کی رفتار کے ساتھ

قلمِ قدرتِ حق اس کے قلم کا رہبر
طفلہ کذب دکھائے تو جھکاتا نہیں سر
جب یہ چلتا ہے سیاہی میں اجالا لے کر
صاف آتی ہے نظر خلدِ بریں کاغذ پر
جب زبانِ قلمِ نکتہ رواں چلتی ہے
قلبِ سطر میں سورج کی کرن ڈھلتی ہے

۲۷۔ حقیقتِ موت

''حقیقتِ موت'' نامی مرثیہ ۱۹۹۶ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ۱۹۹۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ''العطش'' (جلد سوم) کی زینت بنا۔ ستاون بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

''حقیقتِ موت'' نامی مرثیے میں شاعر نے واضح کیا ہے کہ لوگ موت کو ظلم وستم کی داستان اور کتابِ زیست کا غمگین باب کہتے ہیں۔ شاعر نے اس مرثیے میں رُوح، نفس اور موت کے متعلق قرآن وحدیث اور ماہرینِ نفسیات کے تجزیوں کے پیشِ نظر گفتگو کی ہے۔ ابتدائی بندوں میں عام انسانی جذبات کا تذکرہ ہے جن کے مطابق موت ظلم وتعدی کی نشانی ہے جو ہنستی بستی بستیوں کو برباد کر دیتی ہے۔ ماؤں کی گود سے اولاد چھین لیتی ہے اور کتنی نوعروسوں کا جہیز چھین کر انہیں کفن پہنا دیتی ہے مگر شاعر نے قرآنی دلائل دیکر یہ سمجھایا ہے کہ

موت خوف کی علامت نہیں بلکہ انعاماتِ الٰہی میں شامل ہے۔ نیند بھی ایک خاص طرح کی موت ہے، جس میں انسانی نفس بدن سے دُور رہتا ہے لیکن رُوح جسمِ انسانی کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔ اگر رشتۂ جان ٹوٹ جانے سے موت آجاتی تو خدا شہدائے راہِ خدا کو زندہ کیوں کہتا۔

موت کی اصلیت بیان کرنے کے بعد شاعر نے کربلا کے افراد کے احساسات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اصحاب حضرت امام حسینؑ شبِ عاشور اس لئے مطمئن تھے کہ ان کے دلوں سے موت کا خیال ہی محو ہو گیا تھا۔ حضرت امام حسینؑ شمع گل کر کے انہیں چلے جانے کو کہتے رہے مگر انصارِ حسینی موت ہی کو زندگی سمجھ رہے تھے، اس لئے ایک ناصر بھی امام مظلوم کا ساتھ چھوڑ کر نہیں گیا۔

شاعر نے جوانوں، بچوں اور عورتوں کے دلوں کی کیفیات بھی بڑے قرینے سے پیش کی ہیں۔ اکبرؑ و قاسمؑ ہوں، زینبؑ و کلثومؑ ہوں یا چار سالہ بچی سکینہؑ سب کے دلوں سے موت کا خیال ختم ہو گیا تھا۔ ان افراد کے موت کے متعلق تصورات کو شاعر نے بڑی فنکاری سے پیش کر کے ان کے کرداری بلندی کو واضح کیا ہے۔

''حقیقت موت'' نامی مرثیے کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی رقم طراز ہیں:

''ـــــ سید وحید الحسن ہاشمی نے جہاں دوسری اصناف شاعری میں تخلیقی صلاحیتوں سے کام لیا وہاں خصوصیت کے ساتھ مرثیہ نگاری میں اپنی انفرادیت کا نقش قاری کے دل پر مرتسم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے جتنے مرثیے تخلیق کیے ان سب میں اس بات کا لحاظ رکھا کہ موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے تخلیقی سطح پر ان کی نگاہ عنوان پر اس طرح جمی ہے جس طرح کوئی بلند پرواز پرندہ اپنے آشیانے پر نظر رکھتا ہے۔ میرے پیشِ نظر ان کا مرثیہ ''حقیقت موت'' اس کا واضح ثبوت ہے کہ انہوں نے موت کی حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے عمومی رویے سے آغاز کیا کہ موت ہنستی بستیاں برباد کر دیتی ہے اور یہ کہ

اہلِ دنیا کی نگاہوں میں موت ایک ایسا جادو ہے جس کا کوئی توڑ نہیں
اور موت کا نامعلوم ہونا ہی فقط معلوم ہے(۵۹)——"۔

مرثیہ **"حقیقتِ موت"** کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

موت کو ظلم و ستم کی داستاں کہتے ہیں لوگ   بارشِ آفات' برقِ بے اماں کہتے ہیں لوگ
مرگِ حسن' مرگِ جوارح' مرگِ جاں کہتے ہیں لوگ   جو نشاں رکھتی ہے اس کو بے نشاں کہتے ہیں لوگ
نفس سے قربت ہے لیکن آشنا کوئی نہیں
موت ملتی ہے گلے اور دیکھتا کوئی نہیں

ہنستی بستی بستیاں برباد کر دیتی ہے موت   شادماں احساس کو ناشاد کر دیتی ہے موت
جسم کا ایوان غیر آباد کر دیتی ہے موت   آدمی کو سنگِ بے ہمزاد کر دیتی ہے موت
آنکھ ہے لیکن نگاہیں روبرو کرتا نہیں
گفتگو کرنے کا عادی گفتگو کرتا نہیں

اہلِ دنیا کی نگاہوں میں اہانت خو ہے موت   بے محابہ' بے دھڑک' بے قید' بے قابو ہے موت
توڑ ہی جس کا نہیں عالم میں وہ جادو ہے موت   آخری ہچکی پہ جو ٹپکے وہی آنسو ہے موت
سارے عالم میں یہ ہے لیکن پتہ معدوم ہے
اس کا نامعلوم ہونا ہی فقط معلوم ہے

جانے اک اک وقت میں کتنے سفر کرتی ہے موت   قلب کی بے در حویلی میں بھی گھر کرتی ہے موت
اس قدر سرعت سے رگ رگ میں اثر کرتی ہے موت   آدمی کے خون میں لقمے کو تر کرتی ہے موت
موت کا عفریت اپنی حرص کم کرتا نہیں
پیتا جاتا ہے لہو لیکن شکم بھرتا نہیں

---

(۵۹) حسن عسکری کاظمی' پروفیسر (تجزیہ) "حقیقتِ موت" مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)'
لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

آ کے قیدِ جسمِ انساں سے نکل جاتی ہے موت — قلب کے پلٹتے ہوئے ارماں نکل جاتی ہے موت
غازۂ غفلت رخِ ہستی پہ مل جاتی ہے موت — کل نصابِ حال و مستقبل بدل جاتی ہے موت

دیس میں پردیس کی ایسی کہانی بھا گئی
موت کی آہٹ سنی جس نے اسے نیند آ گئی

۲۸۔ قوم و قومیت

''قوم و قومیت'' نامی مرثیہ ۱۹۹۶ء میں کہا گیا اور ۱۹۹۸ء میں ''العطش'' (جلد سوم) میں شائع ہوا۔ باسٹھ بندوں کے اس مرثیے میں شاعر نے فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے موضوع پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

''قوم و قومیت'' نامی مرثیے میں شاعر نے انسانی ذات کے تعارف کو عین فطرت قرار دیا ہے۔ شاعر کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے تو اس کائنات کو اپنی معرفت کے لئے خلق کیا ہے۔ اس مرثیے میں شاعر نے یہ بتایا ہے کہ اکثر رہبرانِ قوم وطن سے قوم کی تشکیل کے قائل ہیں' مگر چونکہ دنیا میں مختلف اوطان ہیں اور وہ مختلف جغرافیائی خصوصیات کے حامل ہیں' اس لئے پوری انسانیت کیلئے ان کا تشکیل کردہ دستور ہر ملک میں رائج نہیں ہو سکتا' اسی طرح زبان' نسل اور خاندان سے بھی ایک قوم معرضِ وجود میں نہیں آ سکتی۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیج کر ان کے ہاتھ میں ایک مکمل دستور دیا جو قرآن کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ شام میں یزید نے احکامِ خدا کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے قومیت کی بنیاد خاندان پر رکھی اور بنی ہاشم کی تمام خدمات صرفِ نظر کر دیں۔ رسولِؐ خدا کے نواسے حضرت امام حسینؑ نے یزید کی اس فکر سے اختلاف کیا اور دنیا کے سامنے قوم اور قومیت کا حقیقی تصور پیش کرنے کیلئے میدانِ کربلا میں آ گئے۔ افواجِ شام نے آلِ محمدؐ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور حضرت امام حسینؑ سے یزید کی بیعت کرنے پر اصرار کیا' مگر حضرت امام حسینؑ نے موت قبول کر لی لیکن یزیدی اسلام کو رد کر دیا۔ آخری بندوں میں شاعر نے واضح کیا ہے کہ مرنے سے قبل حضرت امام حسینؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت زین

العابدینؑ سے وصیت فرمائی کہ ہر ظلم اور ہر جور برداشت کر لینا لیکن یزیدیت کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا۔ اس مرثیے کے مفاہیم پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہاشمی صاحب معاشرتی اقدار اور سماجیات کے تمام گوشوں سے بطریقِ احسن واقف ہیں۔

''قوم وقومیت'' نامی مرثیے کے حوالے سے پروفیسر سجاد حارث رقم طراز ہیں:

''——جناب وحیدالحسن ہاشمی کا یہ مرثیہ قوم وقومیت روایتی مرثیہ نہیں ہے' ہم اسے جدید مرثیوں کی صف میں جگہ دے سکتے ہیں۔ ہاشمی صاحب نے اپنے اس مرثیے میں انسانی' روحانی اور اخلاقی اقدار کو شاعرانہ چابک دستی اور خوبصورتی سے سمونے کی سعی بلیغ کی ہے(۶۰)——''

مرثیہ ''**قوم و قومیت**'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

صدائے سبطِ پیمبرؐ جو کان میں آئی — اُٹھا حسینؑ کے دیدار کا تمنائی
کہا یہ باپ سے ہلکی سی لے کے انگڑائی — چچا کہاں ہیں کدھر ہے مرا جواں بھائی
یہ کیوں عمامے پہ صحرا کی گرد ہے بابا
نظر ہے سینے پہ کیا دل میں درد ہے بابا

یہ کس کے خون سے چہرہ ہے آپ کا جانکاہ — یہ کس نے کر دیا خوشحالیِ مکاں کو تباہ
نہ ساتھ عونؑ و محمدؑ نہ قاسمؑ ذی جاہ — کدھر ہیں آپ کے وہ ناصرانِ حق آگاہ
بلند غم کی صدا یوں فضا میں ہوتی ہے
کہ جیسے ماں کوئی اپنے پسر کو روتی ہے

کہا حسینؑ نے یہ روک کر پسر کا سخن — تمہیں خبر نہیں سب لٹ گیا نبیؐ کا چمن
نہ اب جہاں میں ہیں عباسؑ اور نہ ابنِ حسنؑ — بہن سے مانگنے آیا ہوں اک لباسِ کہن

---

(۶۰) سجاد حارث' پروفیسر (تجزیہ) ''قوم وقومیت'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

تمہیں نظر جو میں آتا ہوں سرخ رو بیٹا
تمہارے چھوٹے برادر کا ہے لہو بیٹا
مری سپاہ کے جانباز سو چکے ہیں تمام — اُجڑ گئی ہیں جو گودیں تو ہے بپا کہرام
بہت قریب ہے اے لال عصر کا ہنگام — نکل کے خیمے سے دیکھو بدل رہا ہے نظام
بدن میں جان ہے جب تک ستم اُٹھاتا ہوں
تمہیں خدا کے حوالے میں کر کے جاتا ہوں
میں جانتا ہوں کہ تپ سے تمہارا جسم ہے چور — تمہیں خبر ہے مرے لال باپ ہے مجبور
زمانے بھر سے الگ ہے یہ شام کا دستور — یہ لوگ رکھتے ہیں تشنہ لبوں سے پانی دور
کہاں چھپائیں گے اس رسمِ میزبانی کو
ترس رہے ہیں یہاں میہمان پانی کو

۲۹۔ قیادت

''قیادت'' نامی مرثیہ ۱۹۹۷ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۹۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ''العطش'' (جلد سوم) کی زینت بنا۔ یہ مرثیہ چونسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔

''قیادت'' نامی مرثیہ میں شاعر نے عصرِ حاضر کی بے کلی و بے حسی پر طنز کے تیر برسائے ہیں۔ شاعر نے انتہائی دردمندی کے ساتھ مرثیے کے ابتدائی بندوں میں حالاتِ حاضرہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کے قول کے مطابق آج کا انسان مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ اگرچہ طوفان سروں پر آ چکا ہے مگر انسان اس کی آمد سے بے خبر ہے۔ عقل و خرد کی شمع ظلمت کے گھیرے میں آ چکی ہے۔ انسانی ہوش و حواس اس قدر مختل ہو چکے ہیں کہ اب آدمی پھول کے بجائے خار کی تکریم کرنے لگا ہے۔ ہر طرف ظلم و شقاوت کا بازار گرم ہے۔ ظالم نے مظلوم کا لباس زیب تن کر لیا ہے اور عدالتی نظام اتنا غیر عدالتی ہو گیا ہے کہ منصف مقتول کو قاتل قرار دے کر اصل قاتل کو رہا کر دیتا ہے۔

شاعر نے اس تباہی اور تکدر کا سبب یہ بتایا ہے کہ معاشرے میں حقیقی قیادت کا فقدان ہے۔ اس وقت نام نہاد قومی قائدین موجود ہیں لیکن ان میں پیغمبرِ اسلام کی قیادت کے کوئی آثار نہیں' شاعر نے نہایت خوبی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان کے افراد کو قیادت کے نمونے پیش کر کے ہمیں بتایا ہے کہ قیادت کیا ہوتی ہے اور قاید قوم کو کیسا ہونا چاہئے۔

شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس لئے بہترین قائد تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے بڑے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ خواہ وہ شہید ہو جائیں' ان کے اعزہ اور احباب قتل ہو جائیں لیکن بدخواہ حکومت کی اصل کو آشکار کر دیا جائے۔ شہادتِ حسینؑ کے بعد قیادت کا یہ گراں بہا بار ان کے بیٹے سید سجاد کے کاندھوں پر آ پڑا۔ اگرچہ وہ بیمار تھے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے تاہم انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ہر ظلم سہہ کر شمعِ قیادت کو بجھنے نہ دیا۔

اس مرثیے میں شاعر نے حُسنِ ابلاغ کے نادر نمونے اور گوشے پیش کر کے وقارِ مرثیہ نگاری کو بلند تر کر دیا ہے۔

''قیادت'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر نصیر عالم زیدی رقم طراز ہیں:

''—— ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں قیادت کا فقدان ہے۔ جو لوگ قائدین کے روپ میں منظرِ عام پر آتے ہیں یا لائے جاتے ہیں شومیِ قسمت سے لوگ انہیں اپنا قائد تسلیم نہیں کرتے اور جو افراد حق شناس عوام کے نزدیک قائدین کہلانے کے اہل ہیں یہ کم فہم معاشرہ انہیں قیادت کے مواقع فراہم نہیں کرتا۔ سید وحید الحسن ہاشمی نے ''قیادت'' کے عنوان سے جو مرثیہ تخلیق کیا ہے اس میں یہی پس منظر کارفرما ہے۔ ہاشمی صاحب نے متنوع شعری تلازمات' نادر تشبیہات و استعارات اور فکر انگیز تلمیحات کے ذریعہ یہ بات اُجاگر کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے کہ عوام کے رہبر و رہنما کا تاج اسی کو زیب

دیتا ہے جو اعلیٰ نسب، دور اندیش اور حق شناس ہو۔ اس صورت حال میں ہاشمی صاحب کے نزدیک دین و دنیا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بہتر قائدین کا میسر ہونا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔(۶۱)——"

مرثیہ "قیادت" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

اب نہ احساس دلوں میں ہے نہ ذہنوں میں رچاؤ　　فرقہ بندی کے سمندر میں ہے اسلام کی ناؤ
خون پینے کی طرف سارے جہاں کا ہے جھکاؤ　　موت کے کھیل میں شامل ہے تعصب کا الاؤ
محوِ حیرت ہے بقا اور فنا ہنستی ہے
بھائی کی لاش پہ بھائی کی انا ہنستی ہے

بڑھ گئی اس قدر آزاد خیالی کی روش　　آتشِ کفر سے کم ہو گئی ایماں کی تپش
جانبِ وہم و گماں کھینچنے لگی دل کی کشش　　جم گئی برف کی مانند ہدایت کی خلش
خوئے تفریق محبت کا شجر کاٹ گئی
اپنی ہی کم نظری تارِ نظر کاٹ گئی

تیز تر ہو گئی اس درجہ مفادات کی جنگ　　خندہ زن گل کی نزاکت پہ ہے اب تختی سنگ
چھا گیا اصل حقائق پہ قیاسات کا رنگ　　اپنی تشہیر پہ قرباں ہوئی ملت کی امنگ
جہل کے تل پہ یہ خواہش کہ خرد بڑھ جائے
قد بڑھے یا نہ بڑھے سایۂ قد بڑھ جائے

نفرتیں آج ہی مٹ جائیں مروت بھی تو ہو　　ایک ہوں سارے مسلمان محبت بھی تو ہو
قدرِ انساں ہو فزوں قدرِ شرافت بھی تو ہو　　دن پھریں قوم کے بے لاگ قیادت بھی تو ہو
منتشر قوم سبک وضع ہے وقعت جو نہیں
انکی قسمت میں قیامت ہے قیادت جو نہیں

---

(۶۱) نصیر عالم زیدی، ڈاکٹر (تجزیہ) "قیادت" مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

جب کسی قوم کا ہو جائے پراگندہ ضمیر لوگ اپنے ہی مفادات کے ہو جائیں اسیر
کوششوں سے نہ ملے خواب گراں کی تعبیر لوگ کہنے لگیں ملت کا بنے کوئی امیر
جو زمانے میں نئی شان ہویدا کر دے
سارے بکھرے ہوئے افراد کو یکجا کر دے

۳۰۔ احتساب

''احتساب'' نامی مرثیہ ۱۹۹۷ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ۱۹۹۸ء میں ''العطش'' (جلد سوم) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ساٹھ بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنے اندر ایک فکری ربط رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تمام بندوں میں ایک خاص طرح کا تسلسل موجزن ہے۔

''احتساب'' نامی مرثیہ میں شاعر نے عمل کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ عمل دلِ حیات کا شفاف آئینہ ہے اور تمام مخلوق اگر مسافر ہیں تو عمل رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدائی بندوں میں شاعر نے عمل کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ ادب میں حمد و نعت اور مرثیہ عمل ہی کی وجہ سے جامۂ تخلیق پہنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج ہو یا معجزات' ہدایات ہوں یا غزوات' سب کے سب عمل کی عملداری میں شمار ہوتے ہیں۔ کچھ اعمال نیک ہیں کچھ بد' اگر انسان اپنے اعمال کا احتساب کرتا رہے تو عمل محبوب ورنہ معتوب ہو جاتا ہے۔ جو لوگ خود احتسابی کرتے ہیں اسلام میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ شاعر نے دلیلِ قرآنی سے یہ بات بتائی ہے کہ خدا خود محتسب ہے۔ انسان کے کاندھوں پر دو فرشتے متعین ہیں' جو انسان کا احتساب کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے محتسب تھے۔ آپؐ کے بعد آپ کی اولاد نے عملِ احتساب جاری رکھا۔ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ فکرِ اُمیہ کا جس نے نظامِ اسلام کو تہس نہس کر دیا تھا' احتساب کیا جائے تاکہ مسلمان صحیح اسلام سے دُور نہ ہوں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فوجِ یزید سے ایک رات کی مہلت بھی اسی لئے مانگی تھی کہ ہر شخص اپنا احتساب کر لے۔ جسے شہادت کی خواہش ہے وہ ٹھہرا رہے لیکن جو شہادت سے

گھبرا رہا ہے وہ چلا جائے۔ اس سے کوئی تعرض بھی نہ کیا جائے گا۔

یہ عملِ احتساب مردوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ حضرت امام حسینؑ کی مستورات نے بھی اس عمل کو جاری رکھا۔ بہنوں کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی کمسن بچی نے بھی ضبطِ نفس کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ پورے مرثیے میں زبان و بیان اور معنی و مفہوم کا ایسا تانا بانا بنا گیا ہے کہ شاعر کے علوئے تخیل کی داد دینا پڑتی ہے۔

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے "احتساب" کے حوالے سے ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری رقم طراز ہیں:

"۔۔۔۔۔ "احتساب" میں جدید مرثیے کے مذکورہ اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بہت بڑے عالم یا بہت اچھے ذاکر کی مجلس سن رہے ہوں۔ ایسے ہی کسی پرتاثیر مجلسی خطاب کی طرح یہ مرثیہ بھی معنوی اعتبار سے تین بڑے مرحلوں میں مکمل ہوتا ہے...... ہاشمی صاحب نے فکر و فلسفہ، فضائل و مناقب اور آلام و مصائب کے حوالے سے تشکیل کردہ تینوں مرحلوں میں نہایت عمدگی سے منطقی و معنوی ربط پیدا کیا ہے۔ وہ مصرع موزوں کرنے کے بجائے جگر خون کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہی تو وہ خون ہے جو صنف مرثیہ کی حیات نو کا باعث ہے اور اہل نظر اس عمل کو بھی خیر عمل سے تعبیر کر سکتے ہیں (۶۲)۔۔۔۔۔"

مرثیہ "**احتساب**" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

عمل کے درس کی خاطر کوئی کتاب بھی ہو زمینِ فصلِ عمل کے لئے سحاب بھی ہو
برائے نکہتِ باغِ عمل گلاب بھی ہو عمل عمل ہے اگر اس کا احتساب بھی ہو
برے بھلے کا یہی انتخاب کرتا ہے
عمل کو خیرِ عمل احتساب کرتا ہے

---

(۶۲) محمد فخر الحق نوری، ڈاکٹر (تجزیہ) "احتساب" مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

یہ احتساب ہے اک ضبطِ نفس کی تصویر   پہن لے جیسے کوئی احتیاط کی زنجیر
وفورِ غیظ کے عالم میں صبر کی تاثیر   فسادِ ذہن کی یورش پہ احتجاجِ ضمیر
خدا اسی کو صراطِ مبین کہتا ہے
اسی کو تزکیۂ نفس دین کہتا ہے

عمل غلط ہو تو کرتا ہے احتساب صحیح   یہ سامنے ہو تو اٹھتی نہیں نگاہِ قبیح
اسی سے اہلِ فصاحت کی ہے زباں فصیح   اسی نظام کے منکر پہ ہے عذابِ صریح
بڑے بڑوں نے مزہ اس کا خوب چکھا ہے
اسی کا نام قیامت خدا نے رکھا ہے

خدا کے دین میں ہے احتساب کا بھی شمول   بشر کے قلب پہ مثلِ کرم ہے اس کا نزول
عمل ہمیشہ ہوا بعدِ احتساب قبول   یہ احتساب رہا ہے شریکِ کارِ رسولؐ
تمام مملکتِ جسم کا یہ مولیٰ ہے
ذرا بھی اس سے ہو غفلت تو ترکِ اولیٰ ہے

جو احتساب نہیں ہے تو قوتِ بشری   یزید بن کے مسل دے گلِ خجستہ سری
بہ جبر چھین لے اہلِ نظر سے خوش نظری   دبا دے قہر و غضب سے گلوئے حق نگری
نہ مال و زر نہ کوئی طرزِ انقلابی ہے
اس ابتلا کی دوا بس خود احتسابی ہے

۳۱۔ احساس

سید وحید الحسن ہاشمی کا غیر مطبوعہ مرثیہ ''احساس'' یکم مارچ ۱۹۹۹ء سے شروع ہو کر دوسری مئی ۱۹۹۹ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ مرثیہ ستاون بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ مرثیہ پہلی مرتبہ ''ھل من ناصرٍ'' جلد اول میں شائع ہوا۔

شاعر نے احساس کو حیاتِ بشر کی اساس، نقیبِ دل، خیال و خواب کے لشکر کا اوج، ملکِ تن میں علمدارِ فوج، اعصاب کی نماز کا امام، کلفتوں کی دھوپ کا سائبان، ذہن کی محراب کی

اذان' جلوۂ رخِ تابانِ زندگی' انسانیت کی آس' وفا شناس' آغوشِ ذہن میں بے حرف کی کتاب اور روشن ضمیر قرار دیا ہے۔ شاعر کا واضح موقف یہ ہے کہ

جب منحرف ہے دانۂ احساس دین سے
پھر تو یزیدیت ہی اُگے گی زمین سے

شاعر یقین دلاتا ہے کہ جب کسی فرد میں سے احساس گم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر احساس رکھنے والوں کو نقصان پہنچانے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ کربلا کے میدان میں امام عالی مقام اور ان کے بے مثل و بے مثال ساتھیوں نے احساس کی بقا کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنے سے گریز نہ کیا۔ شاعر نے اس موقع پر بطور خاص حضرت عباس علمدار کی بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ آخر میں شاعر نے انتہائی ملال انگیز اسلوب میں حضرت عباس علمدار کی شہادت پیش کی ہے۔ موضوع کے حوالے سے یہ شعر مرثیے کا مرکزی شعر قرار دیا جا سکتا ہے۔

سرداریاں یہ فرض کے احساس سے ملیں
احساس کو بلندیاں عباسؑ سے ملیں

سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے ''احساس'' کے حوالے سے ڈاکٹر سحر انصاری رقمطراز ہیں:

''ـــــــ وحید العصر حضرت وحید الحسن ہاشمی ایک فرد نہیں ادارہ ہیں۔ تعلیم' تہذیب' زبان' ادب' ثقافت اور شعر و انتقاد کی جو شمعیں انہوں نے ایوانِ ادب میں روشن کی ہیں ان کی روشنی اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ دیگر اصناف شعر و ادب پر تو ان کے تخلیقی جوہر کی چمک دمک ہے ہی لیکن مرثیے میں انہوں نے جو مقام و مرتبہ حاصل کیا ہے وہ اس دور میں کم کسی کے حصے میں آیا ہے۔

''احساس'' انسانیت کی پہچان ہے۔ بے حس وجود پتھر کے مماثل ہوتا ہے۔ اس بنیادی نکتے کے علاوہ ہاشمی صاحب کی نگاہ میں

جدید نفسیات کے وہ مباحث بھی ہیں جن کا محور ''احساسِ کمتری'' اور ''احساسِ برتری'' جیسی اصطلاحات اور ان کے سماجی مضمرات ہیں(۶۳)——''

اس مرثیے کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

''—— ''احساس'' کے حوالے سے جو نکات ان کے اس مرثیے میں در آئے ہیں ان سب میں انسان کی نفسی کیفیات کے بہت سے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احساس کو مصروف عمل رکھنے میں قلب ونظر کی ضرورت اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں' اس کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جو راہِ حق پر گامزن ہے۔ یہی احساس دوسری صورت میں راستے سے بھٹکنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ اسی صورت کو احساس کمتری کا نام دیا جاتا ہے۔ سید وحید الحسن ہاشمی نے احساس کی معنویت کو اس طرح قاری کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کی ان گنت پرتیں عالم بے حرف وصوت سے اترنے لگتی ہیں(۶۴) ——''

مرثیہ ''**احساس**'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

عباسؑ نے کہا مرے آقائے ذی وقار ... اہل حرم کی فکر سے دل کو نہیں قرار
مجھ کو نہ خیمہ گاہ میں لے جائیں زینہار ... تشنہ لبوں کو دیکھ سکوں گا نہ اشک بار
احساس میرا میری طبیعت پہ بار ہے
بچی سے یہ غلام بہت شرمسار ہے

---

(۶۳) سحر انصاری' ڈاکٹر (تجزیہ) ''آئین'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

(۶۴) حسن عسکری کاظمی' پروفیسر (مضمون) ''احساس' تازگی کا مظہر'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

یہ کہتے کہتے رُخ کی صباحت بدل گئی　　جانِ حیات نزع کے قالب میں ڈھل گئی
تکلیف دل کے سارے ارادے مسل گئی　　ہچکی جو آئی روح بدن سے نکل گئی
دنیا سے اہلِ حق کا فدائی گزر گیا
شبیرؑ دیکھتے رہے بھائی گزر گیا

خیمے میں لے کے آ گئے مشک و علم امام　　سیدانیوں کے بین سے ہلنے لگے خیام
گردِ علم تو جمع ہوئیں بی بیاں تمام　　بولی اٹھا کے مشک یہ بنتِ شہِؑ انام
پیاسوں کی زندگی کے نگہبان کیا ہوئے
بابا بتائیں میرے چچا جان کیا ہوئے

کیسا یہ میری مشک پہ ہے تیر کا نشاں　　یہ تیر جب لگا تو چچا جان تھے کہاں
ان کو خبر تھی پیاس سے اصغرؑ ہے نیم جاں　　بابا وہیں چلیں مرے عمو گئے جہاں
دے کر پھوپھی کے سر کی قسم میں مناؤں گی
انگلی پکڑ کے دشت سے خیمے میں لاؤں گی

بچی کو لے کے گود میں کہنے لگے حسینؑ　　اکبرؑ ابھی ہیں غم نہ کرو میری نورِ عین
ساحل پہ مل گیا ہے تمہارے چچا کو چین　　کل وہ ملیں گے آج نہ گریہ کرو نہ بین
کاٹے ہیں ان کے ہاتھ ملاعیں نے گھات سے
انگلی پکڑ کے لاؤ گی کیسے فرات سے

۳۲۔ آئین

''آئین'' نامی مرثیہ یکم اپریل ۱۹۹۹ء میں شروع ہو کر ۱۲ مئی ۱۹۹۹ء کو مکمل ہوا۔ یہ مرثیہ پچاس بندوں کو محیط ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے اس مرثیے کے آغاز میں عصرِ حاضر کے انسان کی بے کسی و بے بسی کو موضوع بنایا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اب تو وقت کے ماتھے پر بھی صحرائے الم کی دھول اٹی ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اب وہ وحشتوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر کسی پرسکون جگہ کا

منتج ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ عصرِ حاضر کے انسان کی پریشاں حالی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انسان نے ''آئین'' سے اپنا رابطہ توڑ لیا ہے۔

یہ جو راہوں میں مہیا موت کا سامان ہے

یہ نہیں قہرِ خدا آئین کا فقدان ہے

شاعر آئین کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے ذہن کی نشو ونما کا سلسلۂ دست فطرت کا تراشا ہوا راستہ حفظ امن عامہ کا ضابطہ اور عصرِ حاضر کے ہر مرض کی دوا قرار دیتا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ جو شخص آئینِ فطرت توڑ دیتا ہے وہ خدا و رسولؐ اور عوام کی نگاہ میں حقیر ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے آمر قرار دیتے ہیں اور وہ آمریت اور فرعونیت کا لبادہ اوڑھ کر دنیا و آخرت میں رسوا ہو جاتا ہے۔ شاعر کرب و بلا کے میدان میں امامؑ عالی مقام کی تشریف آوری کو آئین حق کی بالا دستی کا ایک سبب قرار دیتا ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ یزید اور اس کے ساتھی آئین خدا و رسولؐ کو تباہ کرنا چاہتے تھے لیکن امام عالی مقام نے ہر قسم کی سختی تو برداشت کر لی لیکن آمریت و تمرد کے سامنے سر نہیں جھکایا آخر میں شاعر نے امام حسین علیہ السلام اور سید سجادؑ کی آخری ملاقات کے دلخراش مناظر کی عکاسی کی ہے۔

''آئین'' نامی مرثیے کے حوالے سے پہلے معروف شاعر حضرت تابش دہلوی کی رائے ملاحظہ کیجیے:

''ــــــ زیرِ نظر مرثیہ ''آئین'' محترم وحید الحسن ہاشمی کی فکر کا نتیجہ ہے جو رثائی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ اس مرثیے میں تاثیر اور تاثر کی وہ فضا قائم ہے جو اپنے قاری اور سامع کو دیر تک اپنی گرفت میں رکھتی ہے۔ محترم وحید الحسن ہاشمی رثائی ادب میں منفرد مقام رکھتے ہیں بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ اس دور میں رثائی ادب کی تنہا اور اعلیٰ شخصیت ہیں (۶۵) ــــــ''

---

(۶۵) تابش دہلوی (تجزیہ) ''آئین'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

اس مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر تونسوی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

''۔۔۔۔۔ جناب وحید الحسن ہاشمی نے ''آئین'' کے پچاس بندوں میں آغاز سے لے کر اختتام تک لفظ و معنی کا جو در و بست قائم رکھا ہے وہ ان کی ریاضت اور فنی مہارت کی روشن دلیل ہے۔ ترکیب سازی سے زیادہ مضمون آفرینی کی طرف توجہ اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ مرثیے کا عنوان ''آئین'' ہر بند میں اپنی معنویت کو اُجاگر کرتا ہے اور وہ جو عنوان کو پڑھ کر ایک عجیب سا تاثر قاری کے دل میں پیدا ہوتا ہے تو مرثیہ پڑھتے ہوئے اس کی وضاحت خود بخود ہو جاتی ہے اور اس تناظر میں وحید الحسن ہاشمی کے کمالِ فن کا معترف ہونا پڑتا ہے(۶۶)۔۔۔۔۔''

مرثیہ ''آئین'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

یہ جو پھینکے جا رہے ہیں ہر طرف طعنوں کے سنگ ۔۔۔ یہ جو جاری ہے عجب بازار میں برسوں سے جنگ
یہ جو تیغ چل رہے ہیں بھائی بھائی میں خدنگ ۔۔۔ یہ جو یکرنگی میں پیدا ہو گئے ہیں لاکھ رنگ
یہ جو راہوں میں مہیا موت کا سامان ہے
یہ نہیں قہرِ خدا آئین کا فقدان ہے

دستِ فطرت کا تراشا راستہ آئین ہے ۔۔۔ ذہن کی نشوونما کا سلسلہ آئین ہے
حفظِ امنِ عامہ کا ضابطہ آئین ہے ۔۔۔ سب نمک ہیں اور نمک کا ذائقہ آئین ہے
تقویت دیتا ہے بستی کے مفادِ عام کو
ٹوک دیتا ہے ریاست کے غلط اقدام کو

ظلم سے بچنے کا واحد آسرا آئین ہے ۔۔۔ جبر کو پابند کرنے کی ادا آئین ہے
ملک و ملت کا مسلّم رہنما آئین ہے ۔۔۔ جب زباں کٹنے لگے اس کی دوا آئین ہے

---

(۶۶) طاہر تونسوی، ڈاکٹر (تجزیہ) ''آئین'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

اپنی سطروں کے شکنجوں میں جکڑ لیتا ہے وہ
آدمی کیا ہے ارادوں کو پکڑ لیتا ہے وہ
بے بصیرت فیصلوں کو روشنی دیتا ہے وہ
قوم کے مردہ نفس کو زندگی دیتا ہے وہ
رہنمایانِ وطن کو آگہی دیتا ہے وہ
نوکری لیتے ہیں حاکم نوکری دیتا ہے وہ
فیصلے بے خوف ہو کر برمحل دیتا ہے وہ
دم کے دم میں حکمِ جابر کو بدل دیتا ہے وہ
سلطنت کا کام چلتا ہے فقط آئین سے
شب کا کانٹا نکلتا ہے فقط آئین سے
شکِ تیقن میں بدلتا ہے فقط آئین سے
دل گنہگاروں کا جلتا ہے فقط آئین سے
لاکھ تاویلیں کرے آئین کی توہین پر
شاہ کو جھکنا ہی پڑتا ہے درِ آئین پر

۳۴۔ احتجاج

سید وحید الحسن ہاشمی کا یہ چونتیسواں مرثیہ تیس اپریل ۲۰۰۰ء کو شروع ہو کر دس مئی ۲۰۰۰ء کو ختم ہوا۔ یہ مرثیہ باون بندوں پر مشتمل ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے مرثیے کے آغاز میں ''فکر'' کی عظمت کے مختلف روپ اُجاگر کیے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ وہ فکر انتہائی نڈر اور بے باک ہے۔ نظامِ دہر میں اس کا مشاہدہ دشوار ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج تک نہ تو کوئی اس کی تیزیٔ رفتار ناپ سکا ہے اور نہ کوئی اس کے بے درو دیوار مکان تک رسائی حاصل کرسکا۔

یہ فکر روز قدم بحر و بر پہ دھرتی ہے
نڈر ہے اتنی اکیلے سفر یہ کرتی ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہی فکر جب انسان پر منفی اثر ڈالتی ہے تو اس کے نفس میں گمان کی چنگاری روشن ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں مخلوق ایسے شخص کی انانیت کا جواب دینے لگتی ہے اور اہلِ نظر اسے ''احتجاج'' کہتے ہیں۔ شاعر کے نزدیک احتجاج کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔

ایک احتجاج منفی ہوتا ہے جس میں حق بات کی نفی کی جاتی ہے تاہم یہ احتجاج خدا اور رسولؐ کو کسی بھی صورت میں پسند نہیں ہے۔ احتجاج کی دوسری شکل یہ ہے کہ حق بات کے حصول کے لیے جہاں اور جیسے ممکن ہو احتجاج کیا جائے۔ شاعر کے نزدیک یہی سنتِ رسولؐ اور یہی اسوۂ حسینؑ ہے۔ شاعر کے خیال میں امام حسینؑ کے احتجاج کا طریقہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے طریقوں کی طرح منفرد تھا۔ انہوں نے کرب وبلا کے میدان میں احتجاج کا جو روپ اپنایا وہ لوحِ تاریخ پر آج بھی تاباں ہے۔ امام عالی مقامؑ کے انوکھے احتجاج کو شاعر نے درج ذیل بند میں سمیٹ دیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

امامؑ نے یہ کیے احتجاج کے ساماں — پسر کا سینہ ہو زخمِ حیات کا درماں
سنبھالے بازوئے عباسؑ حق کا بارِ گراں — گلوئے اصغرؑ ناداں ہو فتحِ دیں کا نشاں
بچائے زینبؑ مضطر حرم کو اُلجھن سے
ستم کی آگ سکینہؑ بجھائے دامن سے

مرثیے کے آخر میں شاعر نے حضرت امام حسینؑ کے عملی احتجاج کے روپ جہاد فی سبیل اللہ کی شکل میں اُجاگر کیے ہیں۔ امام عالی مقامؑ کی احتجاجی شہادت کے بعد احتجاج کا یہ سلسلہ جناب زینبؑ وسکینہؑ نے شام کے دربار میں جاری رکھا۔ شاعر نے دلگداز انداز میں بی بی سکینہؑ کی شہادت کے اندوہناک منظر کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر صاحبِ دل اشکبار ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس مرثیے کی آخری بیت ملاحظہ فرمائیے جس میں شاعر نے پورے مرثیے کا نفس مضمون بیان کر دیا ہے۔

خلافِ شر جو ہوا کل وہ آج بھی ہو گا
جہاں ہے ظلم وہیں احتجاج بھی ہو گا

سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے ''احتجاج'' کے حوالے سے پہلے ڈاکٹر ناہید شاہد کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

''۔۔۔۔۔ گزشتہ دنوں ان کا تازہ مرثیہ ''احتجاج'' کے نام سے سامنے

آیا ہے۔ اگرچہ یہ ان کے دوسرے مراثی سے قدرے مختصر ہے لیکن پڑھتے چلے جایئے ایک منظر' ایک تاریخ' ایک جذبہ' ایک لمحہ' ایک کیفیت' ایک آنسو' ایک ستارہ' گویا سب کچھ اس میں آپ کو مل جائے گا۔ زبان کی شگفتگی اور عصر حاضر کے کرب سے لبریز یہ مرثیہ ایک طرف امام حسینؑ کے غم کو تازہ کرتا ہے اور دوسری طرف لمحۂ موجود کے دُکھوں کی تجسیم کرتا ہے۔ یہ حال کو ماضی سے اور ماضی کو حال سے جوڑتے ہوئے قلب و نظر کو کئی طرح کی کیفیات سے آشنا کرتا چلا جاتا ہے(۶۷)——"

اس مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر مرغوب حسین طاہر اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

"——واقعۂ کربلا سے فکری نتائج کا استخراج اور استنباط وہ تخلیقی رویہ ہے جس نے جدید دور کے مرثیے کو وقار اور اعتبار بخشا ہے۔ جناب وحید الحسن ہاشمی کا شمار بھی ایسے ہی مرثیہ گو شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے اس صنف سخن کو فکر اور اسلوب کی تازگی سے ہم کنار کیا ہے۔ جناب وحید الحسن ہاشمی کا "احتجاج" کے عنوان سے لکھا ہوا مرثیہ ان کی ندرت فکر اور قادر الکلامی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے جس میں انہوں نے واقعات کربلا کو تاریخی اور زمانی حدود سے نکال کر موضوعاتی آفاقیت اور فکری وسعت سے ہم کنار کیا ہے(۶۸)——"

---

(۶۷) ناہید شاہد' ڈاکٹر (تجزیہ) "احتجاج" مشمولہ العطش (کلیات مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

(۶۸) مرغوب حسین طاہر' ڈاکٹر (مضمون) "وحدت فکر کی ایک مثال" مشمولہ العطش (کلیات مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

مرثیہ "احتجاج" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

نظامِ فکر کی بنیاد ہے ضرورت پر ہمیشہ رکھتی ہے یہ حلِ مسئلہ پہ نظر
تصورات میں کرتی ہے رات دن یہ سفر تلازموں کے رویوں سے ڈالتی ہے اثر
بدن کے باطنی عضلات سے گزرتی ہے
یہ اپنے آپ سے دن رات بات کرتی ہے

بشر پہ ہوتا ہے جب فکر کا اثر منفی تو نفس کرتا ہے تردید اس کی کاوش کی
اگر یہ فکر ابھارے گماں کی چنگاری تو نفس ڈال کے اس پر یقین کا پانی
کجی فکر کا فوری علاج کرتا ہے
علاج ہو کہ نہ ہو احتجاج کرتا ہے

جو کوئی کرنے لگے اپنے زور و زر پر غرور ابولہب سے محبت ابوالحسنؑ سے نفور
دماغ و دل میں بسا لے انانیت کا فتور جواب دینے پہ ہو جائے خلق جب مجبور
نہ رسم و راہ نہ اس کو رواج کہتے ہیں
اسی کو اہلِ نظر احتجاج کہتے ہیں

خدا کے حکم کا ابلیس نے کیا انکار خیالِ خام یہ تھا خاک سے بلند ہے نار
یونہی قیامِ خلافت کا جب ہوا اظہار ملائکہ بنی آدم کو کہہ گئے خونخوار
نگاہِ حق میں فسادِ نظر پہ مبنی تھے
یہ جہلِ فکر کے دو احتجاج منفی تھے

خلافِ شرع وہ اہلِ نفاق کی باتیں مفسروں کی وہ در پردہ پر خطر گھاتیں
وہ مشرکین سے کفار کی ملاقاتیں کتابِ حق نے سنائی ہیں ان کو صلواتیں
فسادِ خلق کا الزام ان پہ دھرتا ہے
غضب خدا کا خدا احتجاج کرتا ہے

۳۴۔ زمانہ

''زمانہ'' نامی مرثیے کا تخلیقی دورانیہ یکم مارچ ۲۰۰۰ء سے شروع ہو کر تیئس اپریل پر ختم ہو جاتا ہے۔ چھپن بندوں کو محیط یہ مرثیہ عصر حاضر کی صورتِ حال کو اُجاگر کرتا ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے اس مرثیے میں زمانے کی تخلیق، اہمیت اور ارتقائی سفر پر بہت دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ نمود (کُن) کی عطا سے زمانے کا سفر شروع ہوتا ہے اور کمال یہ ہے کہ اس کی وسعت کا آج تک کوئی اندازہ نہیں کر سکا ہے۔ زمانے کی حقیقی معرفت کا کوئی دعویدار نہیں ہے۔

نہ اس کی کوئی زمیں ہے نہ آستانہ ہے
نظر کہیں نہیں آتا مگر زمانہ ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ زمانہ زخمی دلوں کا مرہم، ارمغانِ طرب، شورِ ماتم، سوزِ شعلہ، بالیدگی شبنم، طاقت کا مرقع، خدا کے امر کی منفرد نشانی، سحر اوجِ خیالات کی نشانی، تہذیب زندگی کا نکھار اور پیکرِ جمال ہے۔ زمانے کو اہلِ دنیا وقت، دورِ مدام، گردشِ مدام، ماہ و سال، شام و سحر اور رات دن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ شاعر دوٹوک انداز میں واضح کرتا ہے کہ زمانہ صرف اور صرف امام زمانہؑ کا پابند ہوتا ہے اور ان کے اشارے کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھتا۔

جو حق کا خاص بلاوا تھا اک بشر کے لیے
زمانہ رُک گیا سرکارؐ کے سفر کے لیے

شاعر نے زمانے کی اہمیت اور کارگزاریوں کے مختلف رنگ روپ بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ زمانے کی تخلیق کا اصل سبب کرب و بلا کے میدان میں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ تھا۔ کربلا کے میدان میں زمانے کے جلو میں بلاؤں کا قافلہ آیا لیکن امام حسینؑ نے زمانے کا فسوں توڑ دیا اور زمانے نے امام عالی مقام کے قدموں کی خاک چھونے کا شرف حاصل کیا۔ شاعر نے آخر میں امام حسینؑ کے مصائب بڑے دلگداز انداز میں بیان کیے ہیں۔ خاص طور پر امام حسینؑ اور بی بی سکینہؑ کی گفتگو دلوں کو غم زدہ کر دیتی ہے۔ امام

عالی مقام کی شہادت کے مناظر ہمیں کرب و بلا کے میدان میں پہنچا دیتے ہیں۔ خاص طور پر تنہائی کے عالم میں امام عالی مقام کا اپنے فرس سے یہ کہنا اہلِ دل کے لیے باعث صد الم ہے

مجھے خبر ہے کہ تجھ پر بھی پیاس طاری ہے
مگر فرس! یہ مری آخری سواری ہے

''زمانہ'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقمطراز ہیں:

''——— سید وحید الحسن ہاشمی کا شمار ایسے نابغانِ زمانہ میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے فکر و فن کے تمام قرینے مرثیہ نگاری کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔ ان کے نزدیک مرثیہ ایک ایسا آئینہ ہے جس کے وسیلے سے واقعہ کربلا کو موضوع بنا کر فکر و خیال کے تمام زاویے منعکس کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر زیرِ نظر مختصر مرثیے میں انہوں نے ''زمانہ'' کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے...... اس مرثیے میں ہاشمی صاحب نے زمانے کی خدائی وسعتوں کو پیش کرنے کی بھی سعی کی ہے اور آخر میں شہادتِ حسینؑ پر مرثیہ ختم ہوتا ہے تو یہ صداقت نکلتی ہے کہ ''زمان'' حقیقت حسینؑ ہے اور ''مکان'' یزیدیت ہے جو اپنا چولا بدلتا رہتا ہے (۶۹)''

مرثیہ ''**زمانہ**'' کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

وہی حسینؑ کہ جس کا وجود عرش اساس بہن سے مانگ رہا تھا کوئی پرانا لباس
نہ پشت پر علی اکبرؑ نہ سامنے عباسؑ ہر ایک بچہ پریشاں ہر ایک بی بی اداس
چچا کی یاد میں منہ آنسوؤں سے دھوتی تھی
سکینہؑ مشک لئے خاک در پہ روتی تھی

---

(۶۹) انور سدید، ڈاکٹر (تجزیہ) ''زمانہ'' مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

حسینؑ خیمے میں آئے کمر جھکائے ہوئے ہر اک عزیز کا سینے پہ زخم کھائے ہوئے
جوان بیٹے کا غم قلب میں دبائے ہوئے قبا سے ننھے پسر کا لہو چھپائے ہوئے
یہ فکر تھی کہ کوئی نقش جبر پوچھ نہ لے
سکینہؑ ننھے مجاہد کی قبر پوچھ نہ لے

پدرؑ نے دیکھ کے بیٹی کا مضمحل چہرا اٹھا کے گود میں ننھی سی جاں کو پیار کیا
زبانِ شاہ پہ آیا جو ذکر پانی کا سکینہؑ بولی مجھے پیاس اب نہیں بابا
میں باز آئی مرے زخم اور اُبھر آئے
نہ مشک آئی نہ عمّو ہی لوٹ کر آئے

کہا حسینؑ نے بی بی یہ رسمِ دنیا ہے یہاں جو آیا ہے اک روز اس کو جانا ہے
میں پارکاب ہوں میری بھی زندگی کیا ہے تمہارے سر پہ تمہاری پھوپھی کا سایا ہے
ذرا نہ رات کی تاریکیوں سے گھبرانا
پھوپھی کے سینے پہ اے میری جان سو جانا

سکینہؑ بولی کہاں تک جہاں کے ظلم سہیں بغیر آب و غذا کس طرح ہوا میں جئیں
کرم بس اتنا غریبانِ کربلا پہ کریں نجف میں دادا ہیں دادا کے پاس پہنچا دیں
کہوں گی درد کو یوں ماں نبھائے جاتی ہیں
کہ خالی جھولا ہے لیکن جھلائے جاتی ہیں

۳۵۔ ارتقا

سید وحید الحسن ہاشمی کا غیر مطبوعہ مرثیہ ''ارتقا'' ۲۴۔اپریل ۲۰۰۱ء کو شروع ہو کر ۲۰ مئی ۲۰۰۱ء کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہ مرثیہ اکاون بندوں پر مشتمل ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے اس مرثیے کا آغاز اس جلال انگیز صورت حال سے کیا ہے کہ ان دنوں ہر لحظہ حیات پریشاں' تہذیب عصر خود سے گریزاں' صحرا کا نام صحن گلستاں' حاکم کا حکم عین شریعت' رنگ جہالت مقبول عام' جہل سے پندار زخمی' زیست کا معیار کمتر' مغرور اپنے

جہل پہ نازاں، سائل تخی کے فعل کا ناقد، شاعر ناواقفِ عروض، جابر ہر اختیار پر قابض اور حد یہ ہے کہ پورا ماحول صبر و شکر سے قاصر ہے۔ شاعر نے ارتقاء کی تعریف بڑے دلپذیر انداز میں کی ہے اور احساس دلایا ہے کہ اہل دنیا کے نزدیک انسان بڑی سرعت کے ساتھ ارتقا کی منازل طے کر رہا ہے۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

شیشہ ہوا ہے زیب گلو ارتقا یہ ہے ۔۔۔ آلے میں علم و فن کی ہے خو ارتقا یہ ہے
پتھر میں جاگ اٹھی ہے نمو ارتقا یہ ہے ۔۔۔ بجلی سے شب ہے آئینہ رو ارتقا یہ ہے

انسان قد کو اور بڑھانے کے واسطے
پر تولتا ہے عرش پہ جانے کے واسطے

شاعر احساس دلاتا ہے کہ اہلِ دنیا جس کو ارتقا کہہ رہے ہیں وہ عارضی ہے۔ یہ علمی ارتقا نسل آدم کے لیے نقصان دہ ہے۔ شاعر کے نزدیک معراج ارتقاء یہ ہے کہ بشر اپنی حقیقت سمجھے اور ان نفوس طاہرہ کی اقتدا کرے جو اس کائنات رنگ و بو پر اللہ تعالیٰ کے مظاہر ہیں۔ شاعر نے امام حسینؑ عالی مقام کی خدمات کو بڑے سلیقے اور پر وقار انداز میں بیان کیا ہے اور احساس دلایا ہے کہ نجات بشر صرف اور صرف حسینؑ کی تقلید کے نتیجے میں ممکن ہے۔

بے چین کوئی کرتا ہے جب دل کے چین کو
بے ساختہ پکارتے ہیں سب حسینؑ کو

آخر میں شاعر نے کرب و بلا کے میدان میں امام عالی مقام کی شہادت کے بعد ہونے والے المناک اور دل گداز واقعات بیان کیے ہیں۔ خاص طور پر قتل گاہ میں حضرت زینبؑ کے بین ہماری آنکھوں میں آنسو لانے کے لیے کافی ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے "ارتقا" کے حوالے سے معروف دانشور شہزاد احمد کی یہ گراں قدر رائے ملاحظہ فرمایئے:

"ــــــ ارتقا کی اصلاح کو ہاشمی صاحب نے ڈارون کے معنوں میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا موازنہ اسلام کے عہد زریں سے کیا ہے اور

یہ خواہش بھی بار بار ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ معاشرے کے اندر بہتر تبدیلی کے خواہش مند ہیں۔ ایک ایسی تبدیلی جو بنیادی باطنی رویے کی تبدیلی ہو۔ غزل مسلسل کی طرح اس مرثیے کے تمام بند اپنے طور پر بھی کچھ معنی دیتے ہیں مگر ایک خاص ترتیب میں ان معانی کا ارتقا بھی ہوتا ہے۔ یہ غزل اور مرثیے کے مابین ایک ایسی مماثلت ہے جو ہاشمی صاحب کے لیے مخصوص ہے(۷۰)۔۔۔۔۔"

مرثیہ "ارتقا" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

انساں نظر تو آتا ہے لیکن تھکا ہوا　　آنکھوں کو اپنی بند کئے ہے معاشرہ
سمجھے ہیں لوگ اسی کو زمانے کا ارتقا　　بدلا ہوا جو رنگ ہے تہذیب فکر کا
واقف بھی ہوئے جو خلا کی زبان سے
باتیں کریں گے اہلِ زمیں آسمان سے

ہے آگ اُٹھ رہا ہے دھواں ارتقا یہ ہے　　انساں ہے فاتح دو جہاں ارتقا یہ ہے
آلات دے رہے ہیں اذاں ارتقا یہ ہے　　پانی میں بن رہے ہیں مکاں ارتقا یہ ہے
خود ساختہ مشینوں سے طوفان موڑ کے
پانی زمیں کو دیتے ہیں بادل نچوڑ کے

زیرِ قدم ہے سطحِ قمر ارتقا یہ ہے　　آساں ہوا فلک کا سفر ارتقا یہ ہے
بے پر کے اڑ رہا ہے بشر ارتقا یہ ہے　　بننے لگے خلاؤں میں گھر ارتقا یہ ہے
سکہ جما کے دہر میں برق و سحاب پر
اگلا قدم رکھے گا بشر آفتاب پر

شیشہ ہوا ہے زیبِ گلو ارتقا یہ ہے　　آلے میں علم و فن کی ہے خو ارتقا یہ ہے
پتھر میں جاگ اٹھی ہے نمو ارتقا یہ ہے　　بجلی سے شب ہے آئینہ رو ارتقا یہ ہے

(۷۰) شہزاد احمد (تجزیہ) "ارتقا" مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

انساں قد کو اور بڑھانے کے واسطے
پر تولتا ہے عرش پہ جانے کے واسطے

دیکھیں ذرا یہ عہد رواں کی تعلّیاں چلتی ہے حق کی دی ہوئی کس طرح سے زباں
مانا خلا میں بس بھی گئیں چند بستیاں مٹی وہاں نہیں ہے تو خاکِ شفا کہاں
سوچا نہیں کہ قدر بڑھانے کے واسطے
نوری بدن ہو عرش پہ جانے کے واسطے

۳۶۔ اعتماد

''اعتماد'' نامی مرثیہ انسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ مرثیہ چوبیس فروری ۲۰۰۱ء سے شروع ہو کر ۲۳ اپریل ۲۰۰۱ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ مرثیہ اپنے موضوع کے اعتبار سے چند نئے نکات سے آراستہ ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی کا اختصاص یہ ہے کہ وہ مختصر مرثیہ کی بنیاد کسی نادر موضوع پر رکھتے ہیں اور پھر اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ زیر نظر مرثیہ کا بنیادی موضوع اعتماد ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اعتماد وہ عظیم قوت ہے جس کی مدح سرائی کرنے والوں میں خود خدا بھی شریک ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہماری زندگی میں اعتماد کا رتبہ بہت بڑا اور وقیع ہے اور اسی لیے شاعر نے اسے انسانی شخصیت کے باغ کا تازہ گلاب قرار دیا ہے۔ شاعر کے نزدیک ''اعتماد'' انسانیت کا جوہر قابل' دریائے عقل و فہم کا ساحل' راہ زیست کی منزل' کتاب زیست کی آیت' عمر رواں کی زندہ حقیقت' خودداری عمل کی علامت اور حق کی آہنی قوت قرار دیا ہے۔ شاعر کے نزدیک یہ اعتماد ہی کی قوت ہے جو انساں کو مافوق البشر بنا دیتی ہے اور جب یہی قوت انسان کے اندر سے ختم ہو جاتی ہے تو وہ دین و دنیا کہیں کا نہیں رہتا۔ شاعر نے درج ذیل بند میں ''اعتماد'' کا بھرپور طریقے سے تعارف کرایا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

آب و ہوائے علم میں پھلتا ہے اعتماد انگلی پکڑ کے علم کی چلتا ہے اعتماد
کر متاعِ علم مچلتا اعتماد بہرِ نمودِ علم میں ڈھلتا ہے اعتماد

کتنی یہ اعتماد کی دنیا حسین ہے

آنکھوں میں نور علم ہے دل میں یقین ہے

شاعر کے نزدیک کرب و بلا اعتماد کی آخری منزل ہے اور اسی لق و دق صحرا میں کتاب اعتماد مکمل ہوئی۔ آخر میں شاعر نے بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے دو صاحبزادوں حضرات عون و محمد کی پر اعتماد جنگ کے ہوشربا مناظر دکھائے ہیں اور ان کی شہادت کے بعد بی بی زینبؑ کے اندوہناک بین پیش کیے ہیں۔ اختتامی بندوں میں مرثیے کے حزنیہ رنگ نے ایک غم زدہ کیفیت پیدا کر دی ہے جو اس مرثیے کی جان ہیں۔

''اعتماد'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر کنول فیروز رقم طراز ہیں:

''۔۔۔۔۔ سید وحید الحسن ہاشمی کا شمار ہمارے سینئر ترین شعرا کی صف اول میں ہوتا ہے۔ وہ ایک صاحب فن اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ انہوں نے مرثیہ نگاری کے فن کو میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی روایت کے ساتھ آگے بڑھاتے ہوئے اسے نہ صرف حیات بخشی ہے بلکہ اس کی کلاسیکی جمالیات کو بحال رکھتے ہوئے زبان و بیان کے اعتبار سے فن مرثیہ نگاری کو نئی جہتوں' اسالیب اور اقدار سے ہم آہنگ کرتے ہوئے سہل ممتنع کا مقام عطا کر دیا ہے۔ ان کے زیر مطالعہ مرثیہ ''اعتماد'' کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی فرسودگی اور بوریت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ان کے کلام کی شگفتگی' تازگی اور اثر آفرینی کے نور سے نہ صرف ذہن و دل منور ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں بلکہ امام عالی مقام اور اہل بیت سے محبت کے جذبات دل و دماغ میں سرور انگیز انداز سے کروٹیں لینے لگتے ہیں۔ یہ کیفیت فکر و فن جناب سید وحید الحسن ہاشمی کے کامیاب مرثیہ نگار ہونے کا بین ثبوت ہے (۱۷)۔۔۔۔۔''

---

(۱۷) کنول فیروز' ڈاکٹر (تجزیہ) ''اعتماد'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

مرثیہ "اعتماد" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

شرحِ صدائے کن ہے صدا اعتماد کی ہے مثلِ خلد آب و ہوا اعتماد کی
کیوں ہو رضائے حق نہ رضا اعتماد کی اللہ کر رہا ہے ثنا اعتماد کی
یہ بھی کرم نبیؐ پہ ہے ربِّ عباد کا
سینے میں ان کے رکھ دیا دل اعتماد کا

رتبہ ہے زندگی میں بڑا اعتماد کا سب پہ عیاں ہے رنگ بقا اعتماد کا
باطل عدو اگرچہ ہوا اعتماد کا لیکن چراغِ حق نہ بجھا اعتماد کا
تاریکیوں میں مشعلِ الطاف چاہیئے
اس کی بقا کے واسطے دل صاف چاہیئے

رسمِ وفا جہاں میں چلی اعتماد سے دل نے کتابِ عشق پڑھی اعتماد سے
قدرِ بشر کچھ اتنی بڑھی اعتماد سے معراج آدمی کو ملی اعتماد سے
خلقت کا اعتماد کو محور بنا دیا
یہ نور تھا خدا نے پیمبرؐ بنا دیا

جب بھی دلِ بشر میں سماتا ہے اعتماد انسان آدمی کو بناتا ہے اعتماد
کیا کیا بشر کے ناز اٹھاتا ہے اعتماد انسان کا وقار بڑھاتا ہے اعتماد
فکر و عمل میں اس سے بڑی آب و تاب ہے
یہ شخصیت کے باغ کا تازہ گلاب ہے

انسانیت کا جوہرِ قابل ہے اعتماد دریائے عقل و فہم کا ساحل ہے اعتماد
آسان راہِ زیست کی منزل ہے اعتماد ہر وصف ہے عطائے بدن دل ہے اعتماد
پہلے ہی شکر کر کے خدائے عباد کا
لکھتا ہے ذہن لے کے قلم اعتماد کا

۳۷۔ ماحول

''ماحول'' نامی مرثیہ یکم دسمبر ۲۰۰۲ء سے شروع ہو کر ۱۶ جنوری ۲۰۰۳ء کو اختتام پذیر ہوا۔ انسٹھ بندوں پر مشتمل وحید الحسن ہاشمی کا یہ مرثیہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے مرثیے کے آغاز میں ماحول کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کے نزدیک ماحول کا اثر بحر و بر پر ہر جگہ ہے۔ ماحول کے وجود پر روشنی ڈالتے ہوئے شاعر رقمطراز ہے۔

اس کا وجود فکر و نظر کا ہے آئینہ　　اس کی روش مزاج بشر کا ہے آئینہ
اس کا کمال دستِ ہنر کا ہے آئینہ　　اس کا ظہور شام و سحر کا ہے آئینہ
ماحول خود طراز بھی ہے مستند بھی ہے
اس کا غلام ازل ہی نہیں ہے ابد بھی ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ ماحول کے قفس میں زمانہ اسیر ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کا ماحول خراب ہے تو اس کی اولاد پر بھی اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔ وہ ماحول کو منفی راہ پر چلانے کی سعی کرتا ہے۔ جب حالات ایسے شخص کی مدد کرتے ہیں تو وہ خدا کی عنایات کو بھی رد کر دیتا ہے۔ شاعر کے نزدیک اس طرزِ احساس کا سب سے بڑا نمائندہ یزید تھا۔ یزید نے اسلام کا چراغ بجھانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اس نے جھوٹی تاویلات اور روایات کا سہارا لے کر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خدمات کو جھٹلانے کا منصوبہ بنایا۔ امام حسینؑ نے یزید کے مذموم ارادوں کو بھانپ لیا لہٰذا اللہ و رسول کا یہ خصوصی نمائندہ ماحول کی کثافتیں دور کرنے کے لئے کرب و بلا کے میدان میں پہنچ گیا۔ شاعر کربلا کی حقیقت آشکار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اسلام کے جہاد میں شامل ہے کربلا　　تختِ شہی کے مدِمقابل ہے کربلا
کھل کر عدوئے چہرۂ باطل ہے کربلا　　ہر دور کے یزید کی قاتل ہے کربلا
یہ منزلت عقیدۂ اہلِ عزا میں ہے
جنت میں جو سکوں ہے وہی کربلا میں ہے

کرب و بلا کے میدان میں جہاں ایک طرف امام عالی مقام اور ان کے عزیز و اقارب پر بے شمار ستم ڈھائے گئے وہاں اہلبیت رسولؐ کے مصائب بھی بے حد المناک ہیں۔ آخر میں شاعر نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی شہادت حسینؑ کے بعد بے کسی و بے بسی کو رقت انگیز پیرائے میں اُجاگر کیا ہے۔

''ماحول'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر ہلال نقوی رقم طراز ہیں:

''ـــــ خدا وحید الحسن ہاشمی صاحب کو سلامت رکھے کہ اب پنجاب میں اُردو مرثیے کی آبرو انہی کے دم سے ہے۔ قیصر بارہوی مرحوم کے بعد ایک انہی کی بزرگی ہے جو شجر سایہ دار کی طرح مرثیہ کی نئی نسل کے سامنے یہاں سے وہاں تک اپنا حلقہ اعتبار وسیع کیے ہوئے ہے۔ وہ اس اعتبار سے بھی خوش قسمت ہیں کہ انہیں جید علماء کی صحبتیں نصیب ہوئیں۔ سید آل رضا اور نسیم امروہوی جیسے مرثیہ نگاروں کی پر وقار ادبی نشستوں کے وہ ایک مرکزی رکن رہے اور پھر دوسری جانب انہیں خود یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو مرثیے اور رثائی ادبیات کی تہذیبی میراث اپنے خاندانی اور نسلی ورثے میں عطا کی۔ انہی تاثرات کے درمیان جب میں ان کے مرثیے ''ماحول'' کے مطالعاتی سفر میں تھا تو مجھے ان کے اُس تہذیبی مطالعے کی گہرائی کا اندازا ہوا جہاں خاندان' حسب نسب' آبائی پس منظر اور نسلی نشیب و فراز کی تہوں تک پہنچنا اور پھر ان تہوں کی تہیں کھولنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں (۷۲)ــــــ''

---

(۷۲) ہلال نقوی' ڈاکٹر (تجزیہ) ''ماحول'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی)' لاہور' الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۵ء

مرثیہ "ماحول" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

اعدا تبرکات پیمبرؐ بھی لے گئے بیمار غم کا کھینچ کے بستر بھی لے گئے
سر سے ہر ایک بی بی کی چادر بھی لے گئے بچی کے دونوں کان کے گوہر بھی لے گئے
تعبیر زندگی جو غموں سے اُلٹ گئی
جا کر سکینہؑ لاشِ پدر سے لپٹ گئی

پانی جو بھیجا شب میں سپاہِ جہول نے اس سے نگاہ پھیر لی آلِ رسولؐ نے
سمجھا اسے بھی ظلم دلِ پرملول نے واپس یہ کہہ کے کر دیا بنتِ بتولؑ نے
پانی پیوں میں کیسے کہ دل غم سے بھر گیا
پیاسا ہی میرا بھائی جہاں سے گزر گیا

کنبہ عطش کی نذر ہوا دیکھتی رہی پانی کسی کو بھی نہ ملا دیکھتی رہی
معصوم تشنہ لب بھی گیا دیکھتی رہی بھائی کا حلقِ خشک کٹا دیکھتی رہی
اب پانی پی کے رہ نہ سکوں گی میں چین سے
زینبؑ کو شرم آئے گی روحِ حسینؑ سے

بیٹھے تھے خاکِ گرم پہ اس دم حرم تمام فضہ کی سعی سے ہوا پانی کا اہتمام
رکھ کر پھوپھی کے سامنے پانی کا ایک جام بولے امامِ وقت بصد عز و احترام
غم آپ کا بجا غمِ سرورؑ تو دیکھئے
دو انگلیوں کے بیچ کا منظر تو دیکھئے

منظر یہ تھا کہ ختمِ رسلؐ کو ہے اضطراب کہتے ہیں بھر کے لایا ہوں کوزے میں سرد آب
تشنہ دہن ہو لال اسے پی لو اب شتاب لیکن حسینؑ کہتے ہیں نانا نہیں ہے تاب
ہو جائے ختم غم کی گرانی تو میں پیوں
پی لے مری بہن جو یہ پانی تو میں پیوں

۳۸۔ جلوۂ سخن

سید وحید الحسن ہاشمی کا اڑتیسواں مرثیہ "جلوۂ سخن" ۲۰ جنوری ۲۰۰۳ء سے شروع ہو کر ۱۲ اپریل ۲۰۰۳ء کو ختم ہو گیا۔ اس کے کل بند ترپن ہیں۔

سید وحید الحسن ہاشمی نے اس مرثیے کا آغاز فلسفیانہ سطح کے استفسار سے کیا ہے کہ "وجودِ حق جو نہ ہوتا تو ہم کہاں ہوتے"؟ اس سوال کے بعد شاعر نے اثباتِ خدا کے لیے کئی براہین وضع کیے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ خالق کی رضا کے بغیر دہر کی تخلیق، سینۂ گیتی پہ فلک کی تشکیل دیدۂ انجم کی ضیا باریاں، سورج کی رعنائیاں، کلی کا نمو پذیر ہونا، ہواؤں کا اٹھلانا، پہاڑوں میں قوتِ قرار کا بیدار ہونا، شجروں کا قیام، ابرِ باراں کا ذوقِ سفر، روز و شب کا ظہور، جبینِ مہر سے نور کا ظہور اور صحیفۂ ابدی کا نزول ممکن ہی نہیں۔ شاعر نے احساس دلایا ہے کہ خالق نے "سخن" کا لفظ کہہ کر اپنے ناطق ہونے کا اعلان کیا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ اس کے نطق کے گواہ بن گئے۔ ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

سنا ازل کے حجابات نے صدائے سخن — اسی کی کن کی صدا سے ہے ابتدائے سخن
نبیؐ و آلِ نبیؐ ہو گئے خدائے سخن — بنی ازل ہی کے دن اک محل سرائے سخن

سخن شناس بنے حق کے خیر خواہ بنے
ازل میں نطقِ خدا کے یہی گواہ بنے

شاعر نے سخن کے کئی رنگ روپ بیان کیے ہیں۔ جب یہی سخن شاعری میں در آیا تو غزل، قصیدہ، مثنوی اور نظم جیسی اصناف وجود میں آئیں تاہم شاعر کے نزدیک ان اصناف میں مرثیے کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ ہر عہد کے لوگ اس صنف کو پسند کرتے رہے ہیں۔ شاعر کے نزدیک اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس پر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی رحمتوں اور برکتوں کا سایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنابِ فاطمہؑ خود شوق سے مرثیہ سنتی ہیں۔ شاعر کے نزدیک مرثیے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ۔

اذانِ مرثیہ جس دم سنائی دیتی ہے — رگِ یزید سسکتی دکھائی دیتی ہے
مدد جو فن کو سپاہِ رسائی دیتی ہے — ہر ایک صنف کی دنیا دہائی دیتی ہے

حروف غیر نسب کی روش مٹاتا ہے
یہ مرثیہ ہے جو کھوٹا کھرا بتاتا ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ امام حسینؑ دنیا میں دین الٰہی کے علمدار ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب اس دین پر چاروں طرف سے اغیار نے حملہ کیا تو امام عالی مقام اپنے خاندان کے ساتھ کرب وبلا کے میدان میں تشریف لے آئے اور اس ریگزار کربلا پر اپنے لہو سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نقش کر دیا۔ آخر میں شاعر نے امام عالی کی شہادت کے بعد اہلبیت عظام کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کو انتہائی درد انگیز اسلوب میں بیان کیا ہے۔ خاص طور پر جناب سکینہؑ کے بین اتنے رقت انگیز ہیں کہ قاری کے لیے آنسو ضبط کرنا محال ہو جاتا ہے۔ آپ بھی ایک بکائیہ بند ملاحظہ فرمایئے ۔

قریب جا کے یہ ماں سے کہا کہ اے اماں — وہ چاند آپ کی آغوش کا چھپا ہے کہاں
کہیں نہ صدمۂ تنہائی سے ہو قلب تپاں — کسی سے کہیے کہ اصغرؑ کو لے کے آئے یہاں
وہ تشنہ لب تھا جو گودی میں اپنی پاؤں گی
گلے کو چوم کے پانی اسے پلاؤں گی

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے ''جلوۂ سخن'' کے حوالے سے امجد اسلام امجد رقمطراز ہیں:

''——وحید الحسن ہاشمی صاحب کا شمار فی زمانہ مرثیہ نگاروں کی پہلی صف میں ہوتا ہے۔ وہ ان چند مرثیہ نگاروں میں سے ہیں جن کے ہاں معیار اور مقدار دونوں کا درجہ بہت بلند ہے۔ روایتی مضامین کے ساتھ ساتھ ان کی تخلیقی اپج انہیں مرثیے سے متعلق نئے نئے مضامین کی تلاش پر اکساتی ہے۔ زیر نظر مرثیے ''جلوۂ سخن'' میں بھی انہوں نے بہت سے بند مرثیہ نگاروں کے ایسے فضائل کے حوالے سے لکھے ہیں جن پر اس سے پہلے بہت کم توجہ دی گئی ہے (۷۳)——''

---

(۷۳) امجد اسلام امجد (تجزیہ) ''جلوۂ سخن'' مشمولہ العطش (کلیات مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

مرثیہ "جلوۂ سخن" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

یہ مرثیہ ہے کہ آلِ رسولؐ کا ہے چمن دل و نگاہ کو کرتی ہے پاک اس کی چبھن
مہک سے اس کی معطر ہے روح کا آنگن اسی چمن کے ہیں مالک حسینؑ اور حسنؑ
اسی چمن میں ہے جنت کے پھول کی خوشبو
بسی ہے اس میں کسائے بتولؑ کی خوشبو

حروف کی پلکیں ہیں علم اٹھائے ہوئے قدم جہاد پہ الفاظ ہیں جمائے ہوئے
فروغِ درد کے جملے ہیں دل پہ چھائے ہوئے ہیں بند قید سلونی کے آزمائے ہوئے
وفا کے وزن کو میزانِ غم پہ تولتا ہے
یہ مرثیہ ہے فقط مجلسوں میں بولتا ہے

ہے اس کا بطن حدیثِ رسولؐ سے معمور نہاں ہے چہرے میں گفتارِ اہلبیتؑ کا نور
لئے ہے وسعتِ مضموں سمندروں کا غرور سنا رہی ہیں تراکیب قصۂ عاشور
ہر اک محب کے گہر ہائے اشک چنتی ہیں
ارے حسینؑ کی ماں مرثیے کو سنتی ہیں

مچی ہوئی ہے زمانے میں انقلاب کی دھوم ہر ایک شہر میں جاری ہیں دشمنوں کی رسوم
فشارِ خوں سے ہے مصلوب سینۂ مظلوم ہر اک نگاہ حزیں ہے ہر ایک دل مغموم
سکونِ دل کی کلی اشک ہی سے کھلتی ہے
مریضِ غم کو شفا مرثیے سے ملتی ہے

جو لوگ غصب کسی کے حقوق کرتے ہیں جو مال و زر کی محبت میں روز مرتے ہیں
گناہ اپنا حدیثوں کے سر پہ دھرتے ہیں چمن کے جلوۂ اغیار خود سنورتے ہیں
رخِ حیات کو سوئے نجات موڑا ہے
غرور ان کا اسی مرثیے نے توڑا ہے

۳۹۔ جارحیّت

''جارحیت'' کے عنوان سے سید وحید الحسن ہاشمی کا انتالیسواں مرثیہ یکم دسمبر ۲۰۰۳ء سے شروع ہو کر ۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ یہ مرثیہ اُنسٹھ بندوں پر مشتمل ہے اور عصر حاضر کی صورتِ حال کا بھرپور عکاس ہے۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ انسان عطائے دستِ مشیتِ' کمالِ صنعتِ قدرتِ' خدا کی خاص عنایت اور بشر کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس با کمال انسان کو بے مثال زندگی' فطرت سے آگہی' سحر کن کی چاشنی اور ملائکہ پر برتری عطا کر کے عظیم المرتبت زمین کی گود میں پرورش کے لیے بھیج دیا۔ صاحبانِ دانش نے اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد و پیمان کو یاد رکھا اور اپنے طرزِ عمل سے ایسے نقوش ثبت کیے کہ آسمان و زمیں کی ہر چیز ان کے اتباع پر مجبور ہو گئی۔

اندھیری رات میں افلاک سے سحر اُترے
یہ حکم دیں تو ستارا انہیں کے گھر اُترے

اس کائنات رنگ و بو میں کچھ ایسے بد نصیب و تیرہ بخت انسان بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ انہوں نے خود تو عیش و نشاط کو اپنا مقصدِ حیات ٹھہرا لیا اور ہمیشہ دوسروں کی راہ میں کانٹے بوتے رہے۔ شاعر کے نزدیک آدمی کی شر رہا سرکشی کی ادا' جفا پسند سفاک زندگی کی ادا' دیار امن و اماں میں ستمگری کی ادا اور خدا کے امر سے منہ موڑ کر خودی کی ادا ہی تو جارحیت ہے۔

یہی تو رہزنِ تہذیب آدمیت ہے
اسی کا نام زمانے میں جارحیت ہے

شاعر کے نزدیک محض صریح ظلم پہ اصرار' کسی کے عیب کا اظہار' خدا کے شیر سے پیکار اور حق کے ورثے سے انکار ہی جارحیت کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ

یہی نہیں کہ شقاوت ہی جارحیت ہے
نبی کی آل سے غفلت بھی جارحیت ہے

شاعر نے مختلف انبیاؑ کی مثالیں پیش کر کے جارحیت کے چہرے پر پڑے ہوئے نقاب اٹھائے ہیں۔ شاعر نے واضح کیا ہے کہ جارحیت میں سب سے واضح شکل اس وقت اُبھر کر سامنے آئی جب اللہ کے نمائندے امام حسین علیہ السلام اور جمہور کے حقوق غصب کر کے یزید نے جارحیت کی۔ امام عالی مقام نے کمال دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کھلی جارحیت کو اس طرح بے نقاب کر دیا کہ آئندہ کسی یزیدی مزاج انسان کو جارحیت کی ہمت نہیں ہو سکتی۔

کمال تھا یہ حسینؑ نظر کی طاقت کا
اُگے گا اب نہ کبھی نخل جارحیت کا

اس مرثیے کے آخر میں شاعر نے خیمہ میں حضرت امام حسینؑ حضرت عابد بیمارؑ اور بی بی زینبؑ کی دردانگیز گفتگو رقم کی ہے۔ آخری بند ملاحظہ فرمایئے:

دکھاؤں کیسے جو سینے سے اٹھ رہا ہے دھواں   وہ جی کے کیا کرے مر جائے جس کا لال جواں
گیا جہان سے ننھا پسر بھی تشنہ دہاں   بڑا یہ غم ہے کہ اب تم ہو اور ظلم جہاں
چلا ہوں چھوڑ کے تم کو غموں کے جنگل میں
نکل کے قبر سے ماں آ گئی ہیں مقتل میں

''جارحیت'' نامی مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹر مرغوب حسین طاہر رقمطراز ہیں:

''_____ جارحیت کے عنوان سے جناب وحید الحسن ہاشمی نے جو مرثیہ تصنیف کیا ہے وہ اس امر کا غماز ہے کہ ہاشمی صاحب نے مرثیہ کی کلاسیکی صنف کو جدید نظم کی حدود اور معیارات سے ہم آہنگ کرنے کا جو انداز اپنایا ہے اس پر انہیں کتنی مہارت حاصل ہے۔ ہاشمی صاحب ایک عنوان کو فکری مرکز قرار دے کر اس کے گرد تاریخ، تہذیب، سماج، معاشرت اور مذہب کے مختلف موضوعات کو نہایت خوبصورتی سے ایک وحدت تاثر کے ساتھ ریشم کے تار کی طرح لپیٹتے چلے جاتے ہیں اور

یوں ان کے مرثیے میں نظم کی تعمیر کا وہ سلیقہ نظر آتا ہے جس کی نمود کے لیے خونِ جگر صرف کرنا پڑتا ہے (۷۴)۔۔۔۔"

مرثیہ "جارحیت" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے:

خدا کا حکم تھا سجدہ کرو ہوا سجدا   وقارِ حضرت آدمؑ کا قد کچھ اور بڑھا
مقام سجدہ پہ ابلیس سے رہا نہ گیا   دلیل کیا تھی وہ شعلہ تھا خود پسندی کا
غرور نے نہ سمجھنے دیا کہ نکبت ہے
خدا کے حکم سے انکار جارحیت ہے

ابوالبشر جو نمونہ تھے حق کی قدرت کا   انہیں بھی غم ہوا اولاد کی بغاوت کا
تھا صرف مسئلہ بعدِ نبی خلافت کا   نشانہ بن گیا ہابیل جارحیت کا
دکھائی راہ یہ اک منکر ولایت نے
قدم جما لئے دنیا میں جارحیت نے

خلیلِ حق کو جو نمرود نے دیئے آزار   کلیم رب پہ جو فرعون کی ہوئی یلغار
ملا مسیح کو دستِ یہودیت سے جو دار   نبی وقت سے شداد نے جو کی پیکار
بڑی کڑی جگرِ صدق پر اذیت تھی
کھلی یہ نبیوں پہ امت کی جارحیت تھی

ادھر عرب پہ تھا چھایا نحوستوں کا دھواں   بشر کی صدق بیانی پہ کٹ رہی تھی زباں
دعا بتوں سے تھی ہر دم برائے حفظِ اماں   ہر ایک خانۂ جارح تھا جام و مے کی دکاں
غنا و رقص سے اہلِ ہوس کو رغبت تھی
برہنگی سببِ ارتقائے ملت تھی

---

(۷۴) مرغوب حسین طاہر، ڈاکٹر (تجزیہ) "جارحیت" مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی)، لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

حضور آئے جو تہذیب نو کالے کے شعور ریا و ریب کی گرمی مزاج سے ہوئی دور
شکست کھا گیا بوجہل و بولہب کا غرور خرد سے ہو گیا کافور جارحوں کا فتور
چڑھا جو چاند مساوات اور اخوت کا
غرور ہو گیا مفلوج جارحیت کا

۴۰۔ جانِ شہادت

سید وحید الحسن ہاشمی کا چالیسواں مرثیہ "جانِ شہادت" کے عنوان سے ۹ مارچ ۲۰۰۴ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ پچاس بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی قابلِ توجہ ہے۔

دانش مندوں کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ "جان ہے تو جہان ہے" شاعر نے انسانی جان کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ جان زندگانی کے روز و شب کی پہچان، دین و دنیا کے ہر افسانے کا عنوان، آدمی کے دل زندہ کی نگہبان اور خیمۂ جسم میں کچھ دیر کی مہمان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس انسانی جان کو آدمی کی نگاہوں سے چھپا رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کم فہم و کم عقل جان بچانے کی خاطر سب کچھ گنوا دیتے ہیں لیکن حق پرست و حق شناس راہ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

میٹھی روح مسلسل یہ صدا دیتی ہے
جان سولی پہ بھی آئے تو مزا دیتی ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہ جان انتہائی پرعظمت شے ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قدرت نے اسے خلق کیا ہے اور علم کے نور سے جان کی دنیا روشن ہوتی ہے جو پاکیزہ نفوس حق کی خاطر اپنی جان قربان کر دیتے ہیں تاریخ میں ان کے اسمائے گرامی جگمگانے لگتے ہیں۔ کربلا کے میدان میں یوں تو ہر فرد ہی دلیر اور جری تھا لیکن شاعر کے نزدیک حضرت قاسم ابن حسنؑ کی سج دھج ہی کچھ اور تھی۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان کی رگ رگ میں شیر خدا کا لہو رواں تھا اور ان کے طرز بود و باش سے اسلاف کی مہک آتی تھی۔ یہی سبب ہے کہ۔

یہ جو چاہیں تو ہو مسمار ابھی قصرِ عناد ان کی ہیبت سے ہیں دل پکڑے ہوئے اہلِ فساد
چند لمحوں کو اگر دے دیں امام اذنِ جہاد نہ رہیں شمر و یزید اور نہ رہے ابنِ زیاد
جنگ سے اس لیے خائف ہیں نہ گھبرائے ہیں
سارے فن حضرت عباسؑ نے سکھلائے ہیں

کرب و بلا کے میدان میں یوں تو ہر مجاہد کو امام عالی مقامؑ نے اذن جہاد دیا لیکن امام حسن علیہ السلام کی بے مثال نشانی جناب قاسمؑ کو جہاد کی اجازت دینے سے امام حسینؑ گریزاں تھے لیکن حضرت قاسمؑ نے کسی نہ کسی طرح جہاد کی اجازت لی اور اس مہارت سے جنگ کی کہ دشمنانِ دین کو حضرت علیؑ کی جنگ یاد آ گئی۔ شاعر نے اس موقع پر نہایت فنکاری اور شاعرانہ مہارت کے ساتھ حضرت قاسمؑ کی جنگ کے مناظر پیش کیے ہیں ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

حیدری شیر ہوں جرأت تو مرے گھر کی ہے زورِ حمزہؓ کا ہوں ہمت تو مرے گھر کی ہے
جس کا شہرہ ہے وہ ہیبت تو مرے گھر کی ہے بنی ہاشم ہوں شجاعت تو مرے گھر کی ہے
سر فضاؤں میں اڑیں گے نہ اکڑنا مجھ سے
خاندانی ہوں سمجھ بوجھ کے لڑنا مجھ سے

آخر میں شاعر نے حضرت قاسمؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر پیش کیے ہیں۔ جب حضرت قاسمؑ کی پاش پاش لاش امام عالی مقام خیمہ میں لائے تو ان کی والدہ کے بین شاعر نے انتہائی غمگیں اسلوب میں بیان کیے ہیں۔

سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے "جانِ شہادت" کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر بلوچ کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"——— مرثیے کی شاعری کا سب سے بڑا جوہر روحانی تخلیقی وفور اور والہانہ پن ہے۔ اگر یہ وصف مرثیہ میں نہیں ہے تو اس کا فن دلپذیری اور اثر انگیزی سے خالی ہوگا۔ اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے ہاشمی صاحب

کا یہ مرثیہ ایک کامیاب ترین تخلیق کہا جا سکتا ہے۔ مصرعوں کی روانی اور معنی آفرینی تمام مرثیے میں ایک ساتھ سفر کرتی ہے.....نزاکتِ خیال کا فن کارانہ استعمال ہاشمی صاحب کے فن کا طرۂ امتیاز ہے (۷۵)۔۔۔۔۔۔"

مرثیہ "جانِ شہادت" کے چند بند ملاحظہ فرمایئے:

سورما بنتے ہو تو سامنے آتے نہیں کیوں جن کو دعویٰ ہے، بہت ان کو بلاتے نہیں کیوں
چھپ کے کیوں بیٹھ گئے آنکھ ملاتے نہیں کیوں ہاتھ کیا ہو گئے شل تیغ اٹھاتے نہیں کیوں
خوں اُگلوائے گی آج اپنی بڑائی تم کو
یاد آ جائے گی خیبر کی لڑائی تم کو

دم میں برباد ابھی دولت و حشمت کر دوں منہدم پل میں در و بامِ حکومت کر دوں
کرکری طالبِ بیعت کی جسارت کر دوں دفن مٹی میں اُمیّہ کی سیاست کر دوں
مجھ کو نورِ نظرِ سبطِ نبیؐ کہتے ہیں
اس کا پوتا ہوں جسے لوگ علیؓ کہتے ہیں

تم کو معلوم ہے حق کے ہیں نبی کیا میرے شاہِ مرداں اسداللہؓ ہیں دادا میرے
محسنِ عالمِ اسلام ہیں بابا میرے کلمہ بچ گیا جن سے وہ ہیں آقا میرے
میری دادی کا ابھی نان و نمک کھاتے ہیں
ان کے گھر روٹیاں لینے کو ملک آتے ہیں

حیدری شیر ہوں جرأت تو مرے گھر کی ہے زورِ حمزہؓ کا ہوں ہمت تو مرے گھر کی ہے
جن کا شہرہ ہے وہ ہیبت تو مرے گھر کی ہے بنی ہاشم ہوں شجاعت تو مرے گھر کی ہے
سر فضاؤں میں اڑیں گے نہ اکڑنا مجھ سے
خاندانی ہوں سمجھ بوجھ کے لڑنا مجھ سے

❖❖❖

---

(۷۵) ناصر بلوچ ڈاکٹر (تجزیہ) "جانِ شہادت" مشمولہ العطش (کلیاتِ مراثی) لاہور الحسن پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء

باب چہارم

مختصر مرثیہ اور سیّد وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مختلف تاریخی' سیاسی' سماجی اور معاشی اسباب کی بنا پر برصغیر پاک و ہند کے معاشرے میں شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اس حوالے سے پہلے ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی رائے ملاحظہ فرمائیے

> "......انگریز حاکم ہندوستان کی محکوم اور "وحشی" رعایا کو زیادہ سے زیادہ "مستمدن" بنانا چاہتے تھے تاکہ ان کا معیار زندگی اعلیٰ سطح پر آجائے اور نتیجتاً وہ ان اشیائے تجارت کی کھپت کرسکیں جو انگلستان کی ملوں میں تیار ہوتی ہیں۔" (۷۶)

اس معاشرتی بے کلی اور ٹوٹ پھوٹ کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پورے معاشرے میں اب کیا ہوگا......؟؟؟ کے اندیشے پائے جانے لگے۔ اس صورت حال نے دوسرے دوائر کی طرح ادب کے دائرے کو بھی متاثر کیا۔ سرسید نے تہذیب الاخلاق کے اجرا سے اپنے تئیں معاشرے کو سدھار لیا جبکہ حالی نے مسدس حالی لکھ کر تہذیب الاخلاق کی منظوم شرح کر کے سرسید سے حق دوستی ادا کر دیا۔ (۷۷) آپ اس دور کے شعر و ادب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا

---

(۷۶) سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر' معروضات' لاہور: پولیمر پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۲۲

(۷۷) عبداللہ' سید' ڈاکٹر' وجہی سے عبدالحق تک' لاہور: خیابان ادب' ۱۹۷۷ء' (طبع دوم)' ص ۱۱۵

ہے کہ گومگو اور پژمردہ صورت حال کے سبب سے شعر و ادب میں ایک طرف تو مایوسی اضمحلال اور تھکن کا لہجہ ظاہر ہوا اور دوسرے رخ پر اس کے رد عمل میں ایک تند و تیز، گھمبیر اور دبنگ لہجہ معرض وجود میں آ گیا۔ ان دونوں لہجوں کا مطالعہ کیجئے تو یہ ایک ہی جیسے حالات کا نتیجہ ہوں گے۔ اس زمانے میں سیاسی اور معاشی صورت حال کی وجہ سے شعر و ادب میں بھی ایک زبردست مزاحمت اور احتجاج کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی (۷۸)۔ بیشتر اصناف اپنا چولا بدل رہے تھے۔ چنانچہ مرثیے نے بھی عصری مسائل کو جذب کیا۔ (۷۹) یہی سبب ہے کہ بیسویں صدی کے بیشتر مسائل آپ کو اس زمانے کے مرثیوں میں ضرور ملیں گے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ہلال نقوی کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے:

> ''...... بیسویں صدی میں مرثیے کا نیا سفر برصغیر کے اس زوال پذیر معاشرے کی دہلیز سے شروع ہوتا ہے جس میں فیوڈل سسٹم کے نئے جال بنے جا رہے تھے اور انگریزوں کی حاکمیت اس خطے میں اپنے نظام فکر کے بیج بو رہی تھی۔ (۸۰)''

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ خوش بختی سے اس تحریک کو ابتداء ہی میں اکابر شعراء کا قلمی تعاون حاصل ہو گیا۔ اس تحریک کے دیگر بنیادی مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ شعر و ادب کو زندگی کے مسائل اور معاملات کی ترجمانی کرنا چاہیے تا کہ شعر و ادب عوام الناس میں فکری انقلاب کا ذریعہ بن سکے۔ اس طرز احساس نے ہر صنف میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت کا احساس پیدا کیا۔ اسی سوچ نے پہلی مرتبہ مرثیے میں بعض انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت کا احساس دلایا۔ لہٰذا اس سلسلے میں نجم آفندی' آل رضا' جوش ملیح آبادی'

---

(۷۸) احراز نقوی' ڈاکٹر' انیس ایک مطالعہ' لاہور: مکتبہ میری لائبریری' ۱۹۸۲ء' ص ۲۳

(۷۹) محمد حسن' ڈاکٹر ''ادبی سماجیات کے نقطۂ نظر سے مرثیے کا مطالعہ'' مشمولہ رثائی ادب' کراچی' اپریل ۲۰۰۲ء' ص ۲۳

(۸۰) ہلال نقوی' ڈاکٹر ''بیسویں صدی اور جدید مرثیہ'' کراچی محمدی ٹرسٹ' ۱۹۹۴ء' ص ۷

جمیل مظہری اور نسیمؔ امروہوی نے اپنے اپنے مزاج' طبائع اور صلاحیتوں کے مطابق صنف مرثیہ میں فکری انقلابات برپا کیے۔(۸۱) اس سلسلے میں خاص طور پر آلِ رضاؔ نے مرثیے کے مزاج و مذاق میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جب کہ جوش ملیح آبادی نے افکار کے ساتھ ساتھ مرثیے کے اسلوب میں بلند آہنگی' طنطنہ اور خطابت کا زور پیدا کیا جسے رثائی ادب میں قابلِ قدر اضافہ قرار دیا گیا۔(۸۲) اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ آلِ رضاؔ اور جوش ملیح آبادی نے مرثیے کی صنف کو نئے ذائقوں سے روشناس کرایا اور مرثیے کو شہادتِ حسینؑ کے بکائیہ بیان کی تنگنائے سے نکال کر شہادتِ حسینؑ کے مقصدی اور افادی پہلوؤں کی طرف لگایا۔ مرثیے کی تاریخ میں یہ ایک ایسا فکری و فنی اجتہاد ہے جس نے مرثیہ نگاری کے فن میں ایک توانا جہت کا اضافہ کیا۔(۸۳)

عصرِ حاضر کے انحطاط پذیر معاشرے میں اخلاقی قدروں کی آبیاری کرنا جہاد سے کم نہیں ہے۔ مخرب اخلاق رسوم و رواج نے لوگوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔ افراد معاشرے اور معاشرہ فرد سے لاتعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ اس صورتِ حال میں بھی کچھ ایسے حساس اور دردمند دل رکھنے والے تخلیق کار موجود ہیں جو اپنے خونِ جگر کی کاوشوں سے فرد' معاشرہ اور اخلاق کے مثلث کو مضبوط بنانے میں مصروف ہیں۔ ان چنیدہ افراد میں سید وحید الحسن ہاشمی بھی ہیں جو نصف صدی سے علم و ادب کی آبیاری میں مصروف ہیں اور اپنی جملہ تخلیقات کو حق و صداقت کے فروغ کے لیے وقف کر چکے ہیں۔(۸۴)

سید وحید الحسن ہاشمی نے شعر و ادب کو اپنے نظریات کی ترسیل کا وسیلہ بنایا ہے۔ ادبی

---

(۸۱) نواز حسن زیدی' ڈاکٹر' نجم آفندی۔ فکر و فن' لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۰ء' ص ۲۸۹

(۸۲) عاشور کاظمی' سید' مرثیہ نظم کی اصناف میں' دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس' ۱۹۹۶ء' ص ۱۳ .

(۸۳) مسیح الزماں' پروفیسر' "اردو مرثیے کے لافانی نقوش" مشمولہ جدید فن مرثیہ نگاری (مرتبہ) سید وحید الحسن ہاشمی' لاہور: مکتبہ تعمیر ادب' ۱۹۶۷ء' ص ۳۳

(۸۴) عباس رضا' وحید عصر' لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۴

نوعیت کے مضامین لکھ کر انہوں نے فکری اعتبار سے تنقید کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ شاعری میں انہوں نے غزلیں بھی لکھی ہیں تاہم ان کے فکری جوہر نعت' مرثیہ' منقبت اور سلام میں کھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحیدالحسن ہاشمی ان اصناف سے اس قدر وابستہ کیوں ہیں؟؟

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عقیدے کی شاعری سطحی جذبات کی نمائندگی کرتی ہے اور فنی اعتبار سے کمزور ہوتی ہے۔ یہ طرز فکر انتہائی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی عظیم شاعری مذہبی معتقدات سے مالا مال ہے۔(۸۵) یونان' انگلستان اور ہندوستان کی عظیم تہذیبوں کی جڑیں مذہب سے پیوست ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہاں کی شاعری پر بھی مذہب کے گہرے اثرات تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح فنی اعتبار سے ہندوستان میں جن شعراء کو قبولیت عام و خاص کا درجہ حاصل ہے وہ بھی مذہبی رجحانات کی حامل شاعری کرتے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی معتقدات کی پیش کش سے یہ شعراء اخلاقی موعظت کرتے ہیں۔ سید وحیدالحسن ہاشمی نے مذہبی معتقدات کی شاعری کو اصلاح معاشرہ کا ایک ذریعہ بنایا ہے اور احمد ندیم قاسمی کے بقول وحیدالحسن ہاشمی نے عقیدے اور فن کو نہایت توازن سے اپنی شاعری میں جگہ دیکر منفرد مقام حاصل کیا ہے۔(۸۶)

سید وحیدالحسن ہاشمی جدید مختصر مرثیہ کے پیشرو ہیں۔ انہوں نے عصر حاضر کے مرثیوں کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی۔ یہی سبب ہے کہ موجودہ دور کے بیشتر شعراء نے ان کی تحریک سے متاثر ہو کر اپنے مرثیوں کو مختصر بھی کیا اور فکری اور فنی اعتبار سے ان میں ندرتیں بھی پیدا کیں۔(۸۷) ہاشمی صاحب کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے

---

(۸۵) سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر (دیباچہ) طاہرین (سید وحیدالحسن ہاشمی)' لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص۱۰

(۸۶) احمد ندیم قاسمی' العطش (جلد اول)' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص فلیپ

(۸۷) عبدالکریم خالد' پروفیسر "تہذیب و ادب کی زندہ علامت" ماہنامہ "خواجگان" لاہور' مارچ ۲۰۰۱ء' ص ۱۷

اپنے مرثیوں کو زمانے کی آواز میں شامل کیا اور فنی و فکری حوالے سے اس صنف کو با اعتبار بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے مرثیوں میں زندگی بسر کرنے کے اعلیٰ اخلاقی اصول فراہم کر کے اس بے راہ رو معاشرے کو راہ راست پر ڈالنے کی کوشش کی۔ سید وحید الحسن کی رثائی خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ جدید مختصر مرثیے کے موجد ہیں اور جب تک صنف مرثیہ زندہ ہے وحید الحسن ہاشمی کا نام بھی زندہ رہے گا۔

وحید الحسن ہاشمی اس لحاظ سے قابلِ توجہ مرثیہ نگار ہیں کہ ان کے مرثیوں میں جوشؔ اور آلِ رضاؔ کے فنی و فکری محاسن یکجا ہو گئے ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی جوشؔ ملیح آبادی کے پرستار اور آلِ رضاؔ کے عزیز شاگرد ہیں۔ اسی سبب سے ان کی شاعری دو متنوع ذائقوں کا حسین اور دلچسپ مرقع بن گئی ہے۔ وحید الحسن ہاشمی جوشؔ کی طرح استعماری قوتوں کے سخت خلاف ہیں۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں استعمار کی پھیلی ہوئی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی جو کوشش کی ہے اس نے ان کے شعری مقام و مرتبہ کو نہایت بلند کر دیا ہے۔ استعماری قوتوں کے خلاف شعری محاذ آرائی پر جوش ملیح آبادی کا ہاشمی صاحب کے فن پر واضح اثر دکھائی دیتا ہے۔ مختلف مرثیوں سے سرسری طور پر انتخاب شدہ بند ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ کس طرح وحید الحسن ہاشمی نے جوشؔ کی تقلید میں ملوکیت' بادشاہت اور استعماریت کے خلاف اپنے نظریات پیش کیے ہیں:

اسلام کے لباس میں شاہی تھی جلوہ گر — دینِ خدا تھا دستِ حکومت میں بے اثر
دھندلا گئی تھی شام میں قرآن کی نظر — بیٹھا تھا کفرؔ مسندِ آلِ رسولؐ پر
بس اک نظر سے وقت کے فرعون کٹ گئے
زینبؑ بڑھی تو کفر کے سائے سمٹ گئے

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

اب پیکرِ یزید میں اُبھرا غرورِ شام — اب ظلمتوں کے سنگ تھے اور زندگی کا جام
بولا غبارؔ چاہیے سورج سے انتقام — اب کربلا کا دشت تھا اور وقت کا امام

مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو
اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

(مرثیہ: زندگی) ....

ہر ظلم کا انجام ہے ظالم کی تباہی جاگے گا جب انسان تو بکھر جائے گی شاہی
چھو سکتی نہیں نور کو ظلمت کی سیاہی میزان کی عظمت ہے فقط عدلِ الٰہی
تہذیب کے ہر دور میں بدنام رہے گی
ہو گی نہ وہاں صبح، جہاں شام رہے گی

(مرثیہ: زنجیرِ سفر) ....

سجادؑ نے اس فکر کے جادو پہ کیا وار دیکھا سوئے حاکم تو لرزنے لگا دربار
شبیرؑ کے چہرے پہ نظر، لب پہ یہ گفتار زنجیر ہلائی تو ہلا مجمعِ کفار
حاکم کا کوئی حکم نہ منشور چلے گا
اب دہر میں عاشور کا دستور چلے گا

(مرثیہ: زنجیرِ سفر) ....

زینبؑ سے آدمی کے چلن کو بقا ملی زینبؑ سے ہمتِ بشری کو جلا ملی
زینبؑ سے اہلِ درد کو سطحِ وفا ملی زینبؑ سے شام میں خبرِ کربلا ملی
شاہی کے جم سکے نہ قدم تھرتھرا گئی
زینبؑ حسینیت کی صدا بن کے چھا گئی

(مرثیہ: ناموسِ وفا) ....

سید وحید الحسن ہاشمی نے جوشؔ اور آلِ رضاؔ کی طرح معاشرے کے اعلیٰ تر اقدار کی پامالی کا ذکر بطریقِ تاسف کیا ہے۔ ان کے تمام مرثیوں کا مطالعہ کیجئے۔ ان میں آپ کو جگہ جگہ زمانے کے ناگفتہ بہ حالات کا نقشہ ملے گا اور ان خرابیوں کی نشان دہی ملے گی، جن سے معاشرے میں اعلیٰ تر اقدار پامال ہو رہے ہیں۔ یہ رویہ اس اعتبار سے قابلِ قدر اور لائقِ صد

تحسین ہے کہ شاعر کا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے اشعار کے آئینے میں قوم کے ہر فرد کو اس کی اصل صورت دکھا دے۔ درج ذیل بند ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ کس طرح شعری پیرائے میں فرد اور قوم کی حالتِ زار کا ذکر کیا گیا ہے۔

وہم و گماں کے دشت میں حیراں ہے آدمی　　اک مستقل خیالِ پریشاں ہے آدمی
خود اپنی زندگی سے گریزاں ہے آدمی　　ہر دم شکارِ گردشِ دوراں ہے آدمی
دوشِ نظر سے چادرِ غیرت اُتار کے
دنیا لئے ہے دین کی توفیق ہار کے

....

ہر ذات اپنی ذات سے رسوا ہے ان دنوں　　عقبیٰ کے رُخ پہ غازۂ دنیا ہے ان دنوں
بستا بہت ضمیر کا سودا ہے ان دنوں　　غیرت کسی غریب کا لاشہ ہے ان دنوں
کتنا حسیں فریبِ نظر کھا رہے ہیں لوگ
دو کشتیوں میں پاؤں ہیں اور جا رہے ہیں لوگ

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)　　..................

دولتِ صبر سے ہو جائے جو ملت محروم　　اس کی قسمت میں کہاں فکر کے تابندہ نجوم
اس کا احساس فنا، اس کی قیادت معدوم　　ایک معنی میں کہا جاتا ہے اس کو مرحوم
قوم بے صبر سہاروں پہ گزر کرتی ہے
غیر کے پاؤں سے خود اپنا سفر کرتی ہے

(مرثیہ: صبر)　　..................

صبر سے دُور ہے ملت تو وہ ملت کیا ہے　　جوش بے ہوش کی دنیا میں حقیقت کیا ہے
شب میں گہنائے ہوئے چاند کی وقعت کیا ہے　　خود جو محتاجِ نظر ہو وہ بصیرت کیا ہے
دن یہ بے صبری ہمت کبھی دکھلاتی ہے
کوئی رستہ نہیں اور قوم چلی جاتی ہے

(مرثیہ: صبر)　　..................

اس دور کا انسان گرفتارِ انا ہے
تشکیک و تیقن کے تصادم میں گھرا ہے
طاقت کا مقر منکرِ توفیقِ دعا ہے
بے بس ہے مگر خود کو سمجھتا ہے خدا ہے
دل وہم سے لرزاں ہے دہائی نہیں دیتا
آنکھیں ہیں کھلی اور دکھائی نہیں دیتا

ذہنوں میں چھپائے ہوئے اوہام کا لشکر
سینوں میں دبائے ہوئے وسواس کا محور
ہاتھوں میں لیے تنگیِ احساس کا دفتر
قدموں میں لپیٹے ہوئے تقدیر کے چکر
جذبوں کے تلاطم میں اماں ڈھونڈ رہا ہے
منزل ہے کہاں اور کہاں ڈھونڈ رہا ہے

.... (مرثیہ: انا اور خودداری)

تلاشِ ذات میں سرگرم و سرگراں ہے بشر
نشاط و غم کے بگولوں کے درمیاں ہے بشر
خود اپنے سوزِ دروں کا مزاج داں ہے بشر
کبھی ہوا، کبھی شعلہ، کبھی دھواں ہے بشر
کہیں سے مرہمِ زخمِ جگر نہیں ملتا
درِ خیال پہ بیٹھا ہے گھر نہیں ملتا

.... (مرثیہ: معرفتِ ذات)

شہرتِ عام ہے دنیا کی پسندِ خاطر
بے ہنر چاہتا ہے لوگ پکاریں ماہر
ضد ہے مجبور کی القاب ہو اس کا قادر
نجس العین کی خواہش ہے کہیں سب طاہر
عطرِ دنیا کی مہک جس میں ہو وہ بخت تو ہو
علم کا کیا ہے نہ ہو زیرِ قدم تخت تو ہو

.... (مرثیہ: کشمکش)

جس طرف دیکھیے دنیا میں عجب ہلچل ہے
دورِ خوش رنگ میں انساں ہے مگر بے کل ہے
آنکھ اٹھاتا ہے جدھر منظرِ صد مقتل ہے
کشتیِ دل نہیں بڑھتی کہ ہوا پاگل ہے

گردشِ وقت کا ذہنوں پہ اثر کچھ بھی نہیں
سر پہ طوفاں ہے مسافر کو خبر کچھ بھی نہیں

(مرثیہ: قیادت)

اک اندھیرے میں گرفتار بلا ہے آدمی | دیر سے اوڑھے ہوئے غم کی ردا ہے آدمی
وحشتوں سے اتنا گھبرایا ہوا ہے آدمی | غیر سے اپنا پتہ اب پوچھتا ہے آدمی

خود ہے لب بستہ مگر دل کے لبوں پر بین ہے
یہ وہ دریا ہے جو پانی کے لیے بے چین ہے

(مرثیہ: آئین)

جو کوئی کرنے لگے اپنے زور و زر پہ غرور | ابولہب سے محبت ابوالحسنؑ سے نفور
دماغ و دل میں بسا لے انانیت کا فتور | جواب دینے پہ ہو جائے خلق جب مجبور

نہ رسم و راہ نہ اس کو رواج کہتے ہیں
اسی کو اہل نظر احتجاج کہتے ہیں

(مرثیہ: احتجاج)

وحید الحسن ہاشمی اس سماجی صورتِ حال کی بدحالی کے ذمہ دار افراد کو لائقِ تعزیر سمجھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ایسے افراد کے تذکرے کے وقت موصوف کے قلم میں جو شدت پیدا ہو جاتی ہے، وہ ان کے صاف باطن ہونے کی نشانی ہے۔ بلاشبہ ایسے افراد لائقِ نفرین و ملامت ہیں، جو ذاتی مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اجتماعی مفادات کو قربان کر دیتے ہیں۔ درج ذیل بند دیکھیے کہ سید وحید الحسن ہاشمی نے کس طرح ایسے لوگوں کے چہروں سے نقابِ منافقت اٹھا کر ان کے اصل روپ ظاہر کیے ہیں۔

یہ ملتِ اسلام کے کیسے ہیں بہی خواہ | رستہ ہے الگ قوم کا ان کی ہے الگ راہ
پابندِ عدالت، نہ شریعت سے ہیں آگاہ | دل پیروِ ابلیس زبانوں پہ ہے اللہ

سب کچھ انہیں معلوم ہے انجان نہیں ہیں
اسلام کی حد میں ہیں مسلمان نہیں ہیں

(مرثیہ: زنجیرِ سفر)

....

رہزن کی اب یہ ضد ہے کہ رہبر کہیں اُسے — مفلس یہ چاہتا ہے تونگر کہیں اُسے
قطرے کی آرزو ہے سمندر کہیں اُسے — جاہل مُصر ہے نفسِ پیمبرؐ کہیں اُسے
حکمِ امام اس کی نظر میں عناد ہے
اپنی روش غلط ہو تو وہ اجتہاد ہے

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

....

ڈال کر چہرۂ اسلام پہ شاہی کی نقاب — بہرِ ترمیم اٹھا لائے محمدؐ کی کتاب
اپنی ہی ذات کو پہنا کے خدائی القاب — پیاس دنیا کی بجھانے لگے مانندِ سراب
اتنا بے نور کیا علم کے کاشانے کو
ہاتھ میں رہ گیا قرآن قسم کھانے کو

(مرثیہ: صبر)

....

وحید الحسن ہاشمی نے محض کور ذوق ٗ بد طینت اور بد اعمال رہبروں کی مذمت میں اپنے شعری افکار کو صرف نہیں کیا بلکہ جگہ جگہ ایسے قابلِ تقلید افراد کی تصویر کشی بھی کی ہے ٗ جن کا اتباع دنیا اور آخرت دونوں کے لئے سودمند اور باعثِ افتخار ہے۔ یہی وہ افراد ہیں ٗ جو حق و صداقت کے زیرِ سایہ پروان چڑھے ہیں اور اجتماعی مفادات کے لئے ذاتی فوائد کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ درج ذیل بندوں میں شاعر نے ایسے ہی افراد کا تعارف کرایا ہے ٗ ملاحظہ فرمایئے۔

تہذیبِ حریت کا فسانہ ہیں اہلِ بیتؑ — آزادئ بشر کا ترانہ ہیں اہلِ بیتؑ
زلفِ رہِ حیات کا شانہ ہیں اہلِ بیتؑ — جس میں تھکن نہیں وہ زمانہ ہیں اہلِ بیتؑ
مقدور چھین لیں تجھے کائنات کا
چاہیں تو یہ بدل دیں مقدر حیات کا

(مرثیہ: خونِ تبسم)

....

قربانیوں کا حسنِ مجسم ہیں اہلِ بیتؑ — عظمت ہے زندگی تو معظم ہیں اہلِ بیتؑ
قربانیاں کرم ہیں مکرم ہیں اہلِ بیتؑ — دنیا اگر ہے زخم تو مرہم ہیں اہلِ بیتؑ
ان کے عمل سے گلشنِ ہستی میں رنگ ہے
ان کے بغیر صلح ہے کوئی نہ جنگ ہے

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

....

آزادیٔ خیال کو جس نے امان دی — مفہومِ صبر و شکر کو جس نے زبان دی
جس نے چمن کے واسطے صحرا میں جان دی — نرغے میں اہلِ کفر کے جس نے اذان دی
جھومر لہو کا دے کے جبینِ ممات کو
جس نے دلہن کی طرح سنوارا حیات کو

(مرثیہ: شبِ عاشور)

....

جدید اُردو مرثیے کے فروغ کے لئے جن اکابر مرثیہ گو شعراء نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں' ان میں نجم آفندی' آلِ رضا' جوش ملیح آبادی' جمیل مظہری' صفدر حسین اور قیصر بارہوی کے اسمائے گرامی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں اُردو میں "جدید مختصر مرثیہ" کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس سلسلے میں آپ نے بنیادی اہمیت کے بے شمار مضامین خود بھی لکھے اور دیگر ناقدین سے بھی لکھوائے جن میں یہ موقف کلیدی حیثیت رکھتا ہے کہ عصرِ حاضر میں دیگر اصناف کی طرح مرثیے کو بھی اپنے اندر اختصار پیدا کرنا چاہئے۔(۸۸) موصوف نے ان مقالات میں جدید اور قدیم مرثیوں کے فرق کی وضاحت کی اور جدید مرثیے کے خدوخال متعین کئے۔ ان کے نظریات تیزی سے مقبول ہوئے اور مرثیہ گو شعراء نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ آج کل جو مختصر مرثیے قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر رہے ہیں' ان

---

(۸۸) (i) وحید الحسن ہاشمی (مرتب) جدید فنِ مرثیہ نگاری لاہور: مکتبہ تعمیرِ ادب' ۱۹۶۷ء
(ii) وحید الحسن ہاشمی' تنقیدی جہتیں لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۴ء

کی داغ بیل ڈالنے والے وحید الحسن ہاشمی ہیں۔

اب ان پیش کردہ معروضات کی روشنی میں کراچی کے ایک مرثیہ نگار ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کا یہ موقف کسی بھی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وحید الحسن ہاشمی کی مختصر مرثیہ گوئی کی تحریک کو استحکام نہیں مل سکا ہے۔(۸۹) اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف نے ''لہو لہو کہکشاں'' کے دیباچے میں بھی اس تحریک کے مثبت اثرات کو نظرانداز کرتے ہوئے فقط اس دلیل پر مختصر مرثیہ گوئی کی تحریک کو ناکام و نامراد قرار دے دیا ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کا ابتدائی مرثیہ چالیس اور ایک دوسرا مرثیہ اُنہتر بندوں پر مشتمل ہے۔ اسی دیباچے میں فاضل مصنف نے اپنے ہی استدلال کی نفی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مرثیہ جو سلام اور نوحہ جیسی مختصر اصناف سے مزاجاً اور طبعاً یکسر جدا صنف ہے' اپنی کمیت سے نہیں بلکہ اپنی کیفیت سے پہچانا جاتا ہے اور کیفیت کو بندوں کی کمی کے حصار میں مقید نہیں کیا جا سکتا''۔(۹۰)

اس فکری مغالطے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ وحید الحسن ہاشمی نے محض مرثیے کے بندوں کی تعداد کو کم کرنے پر زور نہیں دیا' بلکہ انہوں نے ہمیشہ مرثیے کے مجموعی مزاج کو بدلنے اور اس میں فکری تبدیلیاں لانے پر زور دیا ہے۔ اب اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا فرض ہے کہ وہ جدید مختصر مرثیہ گوئی کی تحریک کے اثرات کا بنظرِ غائر جائزہ لیں اور اگر انہوں نے اس تحریک سے متاثر ہونے والے شعراء کی فہرست تشکیل دی تو انہیں اپنے آپ کو بھی یقیناً اس فہرست میں شامل کرنا پڑے گا۔(۹۱)

وحید الحسن ہاشمی کے جدید مختصر مرثیوں کا مطالعہ کیجئے تو ان میں عصرِ حاضر کے جدید رویوں کا سراغ ملتا ہے۔ یہ رویے ایک جانب تو عقل کی میزان پر پورے اترتے ہیں اور دوسری جانب یہ جدید سائنسی افکار سے متصادم نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کے

---

(۸۹) ہلال نقوی' ڈاکٹر' بیسویں صدی اور جدید مرثیہ' کراچی: محمدی ٹرسٹ' ۱۹۹۴ء' ص ۲۵۷

(۹۰) ہلال نقوی' ڈاکٹر' لہو لہو کہکشاں (مقدمہ)' کراچی: ادارہ تقدیس قلم' ۱۹۸۹ء' ص ۳۱

(۹۱) عباس رضا' وحید عصر' لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۴۹۱

مرثیوں میں عصرِ حاضر کے اہم ترین مسائل اور معاملات کی ترجمانی ملے گی۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھیے کہ موصوف نے نئے اور تازہ افکار کو کس جدت اور فنکارانہ چابکدستی سے پیش کیا ہے۔

ذرّوں کی گفتگو نے دیا زندگی کو رنگ — حیراں ہوئے پہاڑ تراشے گئے وہ سنگ
مخلوق کے مزاج میں تخلیق کی اُمنگ — تحصیلِ امن کے لئے لازم ہو جیسے جنگ
جدّت کی سمت مرکبِ تہذیب موڑ کے
انساں نے عطر لے لیا پتھر نچوڑ کے

.... (مرثیہ: زندگی)

دل کی بستی میں جو تنہائی کا اٹھتا ہے دُھواں — وہم ہو جاتا ہے جب بزمِ خیالات کی جاں
اشک جب ٹوٹ کے بن جاتے ہیں نظروں کی زباں — آدمی درد سے ہوتا ہے جو مجبورِ فغاں
یوں سنبھل جاتا ہے وہ صبر کی دولت پا کر
جیسے مزدور کو تسکین ہو اُجرت پا کر

.... (مرثیہ: صبر)

حُبِّ خدا ہے اصل میں انسان کا مآل — نسبت یہ دائمی ہے رعایت یہ لازوال
اس کی کشش جنوب ہے، اس کا اثر شمال — تقویمِ معرفت میں ہے اک پل ہزار سال
باہر ہے یہ زمان و مکاں کی قیود سے
بجلی یہ کھیلتی ہے سحابِ وُرُود سے

.... (مرثیہ: خونِ تبسم)

تکمیلِ سفر کیجئے زنجیرِ سفر سے — آلام کا رُخ موڑیئے زخموں کی سپر سے
دنیا کی نظر کاٹیے شمشیرِ نظر سے — ظلمت کا گلا گھونٹیے مقتل کی سحر سے
یوں سجدۂ صد شکر ہو زنداں کی زمیں پر
تقدیس کا ہر نقش اُبھر آئے جبیں پر

.... (مرثیہ: زنجیرِ سفر)

یہ ابر کا خرام ہواؤں کے دوش پر یہ آسماں یہ چاند ستاروں کی رہگزر
پیڑوں کی انگلیوں پہ پرندوں کا مستقر یہ ہر طرف سجی ہوئی تصویر بحر و بر

پڑھیئے تو رنگ و خط کی جبیں پر لکھا ہوا
تصویر میں ہے کوئی مصور چھپا ہوا

وہ تیزی نظر کہ ڈرے برق بے اماں اں لیے ہوئے ہے خیالوں کا اک جہاں
رہ کر مکاں میں خواہش دیدار لامکاں ب اختیار حضرت یزداں کا رازداں

جس کو خبر نہیں ہے خود اپنے جہان کی
وہ ڈھونڈنے چلا ہے زمیں آسمان کی

(مرثیہ: پردہ)

....

غلط روش پہ اکڑتی ہے کمتری کی اُمنگ ظہور نفس پرستی ہے ذاتیات کی جنگ
کلاہ شاہ پہ ہوں پھول کی نشست پہ سنگ وہ چاہتی ہے کہ ایسا ہو انقلاب کا رنگ

حدِ بلاغ میں کچھ پتھروں کا کام نہیں
خدا بنے ہیں مگر طاقت کلام نہیں

(مرثیہ: معرفتِ ذات)

....

ہر عنصر موجود کو کرتا ہوں دو پارہ بہتا ہے اشاروں سے مرے وقت کا دھارا
دنیا کو جھلس دے مری انگلی کا اشارا اعجاز کی تقدیس نہیں مجھ کو گوارا

انسان کی قوت کا بھرم میں نے رکھا ہے
مہتاب کی چھاتی پہ قدم میں نے رکھا ہے

(مرثیہ: انا اور خودداری)

....

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں ایک ایسی فلسفیانہ فکر موجود ہے' جو خشک فلسفیانہ موشگافیوں سے کسی حد تک مختلف ہے۔ وحید الحسن ہاشمی اپنے فلسفیانہ افکار کو استفہام کے ذریعہ استوار کرتے ہیں۔ وہ کسی ایک اہم مسئلے کے حوالے سے مختلف نکات سوالات کی صورت میں

پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی علمی استعداد کے مطابق ممکنہ جوابات بھی فراہم کرتے جاتے ہیں۔ سوال اور جواب کا یہ سلسلہ قارئین کو حظ اور مسرت فراہم کرتا ہے۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھیے کہ شاعر نے کس طرح اولاً استفہامیہ انداز پیدا کیا اور اس کے بعد ان سوالات کو کتنے سہل اور سادہ طریقے سے حل کر دیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ غائب ہے حق کی ذات
دیکھے بغیر کیسے محبت کو ہو ثبات؟
کوئی تو ہو کہ جس سے کہے درد دل کی بات
مقصود سامنے ہو تو بوجھل نہیں حیات
کردار بے اثر ہے کہانی نہیں اگر
پیاسا اجل رسیدہ ہے پانی نہیں اگر

کوئی سنے تو عقل یہ کہتی ہے بار بار
لازم نہیں کہ دید پہ اُلفت کا ہو مدار
دیکھا ہے کب کسی نے نگاہوں سے دل کا پیار
پنہاں نظر کا نور ہے لیکن ہے اعتبار
کیفیتوں کو قلب کی پہچانتے ہیں لوگ
ظاہر نہیں ہے درد مگر مانتے ہیں لوگ

(مرثیہ: خونِ تبسم)

مشہور یہ کیا کہ محمدؐ تو ہیں بشر
ان کا مدارِ خلقت ظاہر ہے خاک پر
ان کے بھی جسم خاک پہ موسم کا ہے اثر
مثلِ بشر شہود کی پابند ہے نظر
بے جاں جہاں کے کارِ مسلسل سے ہو گئے
آخر زمین اوڑھ کے تربت میں سو گئے

کہتے ہیں آدمی ہے بہرحال محترم
سب ایک سے ہیں کوئی زیادہ بہت نہ کم
قسمت لکھی گئی نہ مقدر ہوا رقم
فطرت نے سب کو ایک سے ساماں کیے بہم
جاہل کہو کسی کو نہ اہلِ خبر کہو
ہے آدمی رسولؐ کہو یا بشر کہو

لیکن یہ ناقدین سے پوچھے کوئی ذرا — قرآں کی رو سے معنی تطہیر پھر ہیں کیا
جب آدمی کی فکر ہے آلودۂ خطا — کیوں اک بشر کو حق تصرف دیا گیا

نعرہ برابری کا ہے جب ہر زبان پر
کیوں مصطفیٰؐ کو حق ہے زمانے کی جان پر

جب عالمِ شہود کے انساں ہیں ایک سے — پھر اتباعِ حکمِ نبیؐ کیوں کوئی کرے؟
جب آب و گل کے جسمِ بشر میں ہیں سلسلے — پھر کس طرح رسولؐ سوئے لامکاں گئے؟

جب بندشیں نہیں کوئی رزقِ حلال پر
صدقہ حرام کیوں ہے محمدؐ کی آلؑ پر؟

یکساں ہیں جب سرشت میں کل ساکنِ زمیں — سایہ نبیؐ کے جسمِ مبارک کا کیوں نہیں
جب ہیں رسولِ پاکؐ اسی خاک کے مکیں — کس طرح لامکاں سے مکاں ہو گیا قریں

جب ہر بشر کا رنگ ہے بزمِ شہود میں
کیوں صرف اہلِ بیتؑ ہیں شامل درود میں

جب ایک ہی شجر کے ہیں سب آدمی ثمر — شیریں جو ان میں یہ ہے تو وہ کیوں ہے تلخ تر
جب آسمان سے کوئی اترا نہیں بشر — آدمؑ کہاں سے آ کے بسے ہیں زمین پر

فطرت نہیں یہ مہد میں جب کائنات کی
کس طرح پھر مسیحؑ نے جھولے میں بات کی

.... (مرثیہ: ملیکۃ العربؑ)

جدید مختصر مرثیہ عموماً ۵۰ تا ۷۵ بندوں پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا مرثیہ نگار اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ قارئین کے سامنے اشارات و کنایات میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرے۔ وحید الحسن ہاشمی بھی کم لفظوں سے زیادہ معانی پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے بیشتر مرثیوں میں رمزیت اور علامت کا ایک جہانِ معانی آباد نظر آتا ہے۔ بعض اوقات تو ان کا یہ ایجاز و اختصار قاری کو متحیر کر دیتا ہے۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور

دیکھیے کہ انہوں نے کس طرح دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

مکّے کا قحط ہو کہ ہو وہ دعوتِ نبیؐ　　طائف کا وہ سفر ہو کہ محصور زندگی
ہجرت کا کرب ہو کہ جفا غارِ ثور کی　　دشمن سے جنگ ہو کہ قبیلوں سے دوستی
دنیا کے دبدبے سے نہ جاہ و جلال سے
نامِ خدا چلا ہے خدیجہؑ کے مال سے

.... (مرثیہ: ملیکۃ العرب)

تڑپی کبھی شبیہِ پیمبرؐ کے روپ میں　　اٹھی کبھی جلالتِ حیدرؑ کے رُوپ میں
چمکی کبھی تبسمِ اصغرؑ کے رُوپ میں　　نکلی کبھی حسینؑ کی خواہر کے رُوپ میں
بھائی نہ تھے تو دیں کی نگہدار بن گئی
زینبؑ وفا کی قافلہ سالار بن گئی

.... (مرثیہ: ناموسِ وفا)

اخلاق ہے نبیؐ کے گھرانے سے سربلند　　اخلاق کو علیؑ کی ادائیں ہیں سب پسند
اخلاق فاطمہؑ کی حیا کا نیاز مند　　اخلاق پر حسینؑ نے آنے نہ دی گزند
اس گلستاں میں پھول سے رونق ہے پھول کی
خلقِ حسنؑ بہار ہے خلقِ رسولؐ کی

.... (مرثیہ: خلقِ حسنؑ)

قربانی، حیات کو اب ڈر نہیں رہا　　ذہنوں کو خوفِ ناوک و خنجر نہیں رہا
عزمِ خلیلؑ رہ گیا آذر نہیں رہا　　آئینہ حق ہے ذہنِ سکندر نہیں رہا
ایثار کی کماں کو نئے تیر مل گئے
قربانیاں اُداس تھیں شبیرؑ مل گئے

.... (مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

وحید الحسن ہاشمی جدید مرثیہ نگار ہونے کے باوجود اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اگر

مرثیے میں "مرثیت" نہیں ہوگی تو وہ مرثیہ ایک بے بو پھول ہوگا۔ اس کی معنویت اور تاثیر میں کمی واقع ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مرثیوں میں حزن و ملال کی فضا قائم رہتی ہے۔ ان کے مرثیوں میں فکری تسلسل اور معنوی ربط ہوتا ہے' جو واقعۂ کربلا پر منتج ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرثیے میں وہ جگہ جگہ ایسے الفاظ شعوری طور پر استعمال کرتے ہیں کہ قاری کا ذہن واقعۂ کربلا کے کسی ایک پہلو کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح شاعر مصائب بیان نہ کرنے کے باوجود قاری کا ذہنی تعلق واقعۂ کربلا سے جوڑے رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں وحید الحسن ہاشمی کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے:

"...... مختصر مرثیے میں اگر "مرثیت" کا عنصر مفقود ہے تو اسے ہم نظم کہیں گے مختصر مرثیہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ مرثیت کیا ہے' دردِ حسینؑ" سے دردِ انسانی کو کم کرنا۔(۹۲)"

وحید الحسن ہاشمی کے بیشتر مرثیے خصوصیت کے ساتھ اپنے اندر ایک ایسی الیہ کیفیت سموئے ہوئے ہیں جس کا فن مرثیہ نگاری کے آہنگ سے خاص تعلق ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں کے مصائب سے متعلق بند دوسرے شعراء کی نسبت زیادہ مکمل نظر آتے ہیں۔ وہ کبھی تو کرداروں کی نفسیاتی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی لفظوں کے در و بست سے ایسا سحر انگیز ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ قاری کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"...... وحید الحسن ہاشمی کے مراثی میں مصائب کا بیان بھی سوز و گداز اور شاعرانہ فنکاری کے ساتھ موجود ہے...... مصائب کے بیان میں غم و الم کا سماں پیدا کرنے میں کامیابی سے گزرے ہیں۔(۹۳)"

---

(۹۲) وحید الحسن ہاشمی' تنقیدی جہتیں' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۴ء' ص ۳۶

(۹۳) طاہر حسین کاظمی' ڈاکٹر' اردو مرثیہ میر انیس کے بعد' دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز' ۱۹۹۷ء' ص ۳۸۷

تمام مرثیوں کے مکھی بندوں کا مطالعہ کیجیے تو آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس مقام پر ہاشمی صاحب میر انیسؔ سے زیادہ مرزا دبیرؔ سے قریب ہیں۔ ذیل میں مرثیوں کے مختلف بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ شاعر نے کس طرح قاری کا رابطہ واقعۂ کربلا سے بحال رکھا ہے۔

ماضی کا حال، حال کے منظر میں دیکھیے — کل کا شباب آج کے پیکر میں دیکھیے
جوہر صدف کا تابشِ گوہر میں دیکھیے — اوصاف انبیا رخِ حیدرؑ میں دیکھیے
دیروز ایک نقشِ غمِ نا تمام ہے
امروز حُبِّ آلِ محمدؐ کا نام ہے

.... (مرثیہ: ناموسِ وفا)

میزانِ روشنی میں زمانے کو تولیے — مقصد سے زندگی کے فسانے کو تولیے
ماحول میں عمل کے خزانے کو تولیے — قرآن سے نبیؐ کے گھرانے کو تولیے
آیت کعبے کی حرمتِ اشراف چاہیے
تاریخ وزن رکھتی ہے انصاف چاہیے

.... (مرثیہ: ملیکۃ العربؑ)

پانی کا نام لے تو حمیت کے ہے خلاف — کچھ مانگنا غیور طبیعت کے ہے خلاف
پیچھے قدم ہٹیں یہ شجاعت کے ہے خلاف — آواز دیں ربابؑ کو غیرت کے ہے خلاف
اپنی مثال منزلِ غیرت پہ آپ ہے
بیٹا سمجھ رہا ہے کہ مجبور باپ ہے
اصغرؑ پدر کی صدق بیانی سمجھ گئے — الفاظِ بے صدا کے معانی سمجھ گئے
پیتے ہیں کیسے تیغ کا پانی سمجھ گئے — لائے ہیں کیوں حسینؑ کہانی سمجھ گئے
شیرِ خدا کے شیر کا منظر دکھا دیا
خیبر رگِ گلو پہ اٹھا کر دکھا دیا

.... (مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

مسلمؑ بہت قریب ہے وہ منظرِ الم عابدؑ کو تازیانے لگیں گے قدم قدم
بازار میں جب آئیں گے شبیرؑ کے حرم پوچھے گا واقعہ سرِ عباسؑ ذی حشم
لائے تھے جن کو ساتھ وہ پیارے کہاں گئے
بھیا مری بہن کے ستارے کہاں گئے

(مرثیہ: سفیرِ آلِ محمدؐ)

آخر بہن کے سامنے آئے شہِ امام رکھی زمیں پہ لاش بہن سے کیا کلام
زینبؑ تمہارے باغ میں آئی ہوائے شام لیلیٰ سے کہہ دو دیکھ لے اپنا یہ تمام
خیمے میں پھر شبیہِ پیمبرؐ نہ آئے گا
جی بھر کے دیکھ لو علی اکبرؑ نہ آئے گا

(مرثیہ: زندگی)

شانے بندھے ہوئے ہیں مگر حوصلہ وہی سر پر ردا نہیں ہے مگر دبدبہ وہی
کیا کیا رکاوٹیں ہیں مگر راستہ وہی بھائی نے جو کہا تھا بہن کی صدا وہی
یہ ارتباطِ فکر و نظر کا مقام ہے
زینبؑ حسینیت کی اشاعت کا نام ہے

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

بیٹوں کے پاس بیٹھ کے بولی وہ تشنہ کام کیا ہو گیا کہ ماں سے بھی کرتے نہیں کلام
معلوم ہے کہ سامنے ہے وقت کا امام اور اُٹھ کے تم امام کو کرتے نہیں سلام
خود تو یہاں ہو چین سے سونے کے واسطے
اور ماں کو چھوڑے جاتے ہو رونے کے واسطے

رہتے تھے تم مرے لیے ہر وقت بے قرار رُخ پر نہ آنے دیتے تھے آلام کا غبار
ہوتے نہیں ہو کیوں اسی ماں کے گلے کا ہار کب سے تمہیں پکار رہی ہوں میں بار بار

پردیس میں حیات کے رشتوں کو توڑ کے
جاتا ہے کون ماں کو ضعیفی میں چھوڑ کے

(مرثیہ: اعتماد)

خیمے میں لے کے آ گئے مشک و علم امام — سیدانیوں کے بین سے ہلنے لگے خیام
گردِ علم تو جمع ہوئیں بی بیاں تمام — بولی اٹھا کے مشک یہ بنتِ شہِ انام
پیاسوں کی زندگی کے نگہبان کیا ہوئے
بابا بتائیں میرے چچا جان کیا ہوئے

کیسا یہ میری مشک پہ ہے تیر کا نشاں — یہ تیر جب لگا تو چچا جان تھے کہاں
ان کو خبر تھی پیاس سے اصغرؑ ہے نیم جاں — بابا وہیں چلیں مرے عموؑ گئے جہاں
دے کے پھوپھی کے سر کی قسم میں مناؤں گی
انگلی پکڑ کے دشت سے خیمے میں لاؤں گی

بچی کو لے کے گود میں کہنے لگے حسینؑ — اکبرؑ ابھی ہیں غم نہ کرو میری نورِ عین
ساحل پہ مل گیا ہے تمہارے چچا کو چین — کل وہ ملیں گے آج نہ گریہ کرو نہ بین
کاٹے ہیں ان کے ہاتھ ملاعیں نے گھات سے
انگلی پکڑ کے لاؤ گی کیسے فرات سے؟

(مرثیہ: احساس)

ہوش آتے ہی یہ سجادؑ نے محشر دیکھا — بیبیاں خاک بسر کوئی نہ بھائی نہ چچا
کچھ یتیموں کو لیے بیٹھی ہیں بنتِ زہراؑ — گونجتی ہے مرے اکبرؑ، مرے اصغرؑ کی صدا
کوئی کھویا ہوا اپنا دل و جاں ڈھونڈتی ہے
ایک ماں دیر سے جھولے کا نشاں ڈھونڈتی ہے

نظر آ جاتی تھیں ماؤں کی جو اُجڑی گودیں — لبِ بیمار سے ٹکراتی تھیں پیاسی آہیں
گرچہ تھیں ضبط شکن تشنہ لبوں کی ہوکیں — بڑھ سکیں صبر کی حد سے نہ شجاعت کی حدیں

سینکڑوں کو وہ الم اِک دلِ مضطر پہ گرے
اٹھ کے بیٹھے تھے کہ پھر ریت کے بستر پہ گرے

.... (مرثیہ: قیادت)

اکبرؑ کے قریں آ کے پکارے شہِؑ والا — لیٹے تمھیں یہ خستہ جگر آیا ہے بیٹا
پردیس میں پیری نے عجب وقت دکھایا — چھلنی ہے جوانی کا جگر باپ ہے بوڑھا
نبیوں کے پرے رُخ کی طرف دیکھ رہے ہیں
پوتے کا جگر شاہِ نجف دیکھ رہے ہیں

کچھ باپ سے باتیں تو کرو یوسفِ ثانی — ایسا نہ ہو پیری سے بچھڑ جائے جوانی
سمجھاؤ اشاروں ہی سے کیا دل میں ہے ٹھانی — کچھ منہ سے تو بولو کہ مکمل ہو کہانی
صادق ہو خوش الحان ہو باتوں کے کھرے ہو
بتلاؤ تو کیوں ہاتھ یہ سینے پہ دھرے ہو

اکبرؑ نے کہا شکر ہے اے سیدِ عالمؑ — اب آپ کریں صبر کہ دنیا سے چلے ہم
عاجز ہے زباں کہہ نہیں سکتے کہ ہے کیا غم — وہ زخم ہے سینے پہ کہ جس کا نہیں مرہم
باباؑ یہ پسر پر عجب افتاد پڑی ہے
برچھی کی انی ہے جو کلیجے میں گڑی ہے

.... (مرثیہ: پیری)

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں اسالیب کے مختلف زاویے اور پیرائے ملتے ہیں۔ کہیں تو وہ آلِ رضا کی طرح سادہ اسلوبِ بیان اختیار کرتے ہیں اور کہیں جوش ملیح آبادی کی طرح ان کے فن میں لکھنوئ مرصع کاری ملتی ہے۔ یہ بات بہر حال طے ہے کہ موصوف لفظ شناس ہیں اور الفاظ کو قرینے سے استعمال کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کا اسلوبِ بیان واضح اور جچا تلا ہے۔ سادگی، سلاست اور روانی کے حوالے سے ان پر انیس کی چھوٹ پڑتی نظر آتی ہے۔ وہ تشبیہ اور استعارے کے رسمی استعمال کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس فن

میں ان کا موقف واضح طور پر یہ ہے کہ علم بیان و بدیع اگر شعری حسن میں اضافہ کریں تو ان کا استعمال برحق' ورنہ لفظوں کا اُلٹ پھیر بے مصرف ہے۔ وحیدالحسن ہاشمی کے مرثیوں کے اسلوب اور زبان و بیان کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی کی یہ رائے ملاحظہ فرمائیے:

"......وحیدالحسن ہاشمی کے مراثی پر نظر کرنے سے ان کی علمی بصیرت اور بالغ نظری کا اندازہ ہوتا ہے۔ زبان صاف اور کلام برجستہ ہے۔ نکتہ رسی اور نکتہ دانی ان کا خاص شیوہ ہے۔ خیالات میں وسعت اور معنویت ہے...... ان کے کلام میں سادگی' صفائی اور برجستگی ہے۔ (۹۴)"

درج ذیل بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ کس طرح انہوں نے اسلوب کی مختلف جہتوں کو فنکارانہ صنائع کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ علم بیان و بدیع کے ارکان باہم گر اس طرح شیر و شکر ہو گئے ہیں' کہ شعری ضرورت محسوس ہوتے ہیں۔

طوفاں کی موج موج پہ کشتی رواں ہوئی   چکرا گئے بھنور وہ روانی عیاں ہوئی
چادر کی طرح وادیٔ کوہ گراں ہوئی   آئی صدائے زندگی میں آسماں ہوئی
انساں سمندروں کے مدینے میں آ گیا
باقی وہی رہا جو سفینے میں آ گیا

(مرثیہ: زندگی) ....

سبطِ نبیؐ نے کی جو زمانے پہ اک نظر   آئینِ مصطفیؐ کی جبیں تھی لہو میں تر
اسلام جیسے راہ میں ٹوٹا ہوا شجر   قرآن جیسے ظلم سے توڑا ہوا ثمر
عقبیٰ تھی اک مذاق نگاہِ عوام میں
ایمان تول تول کے بکتا تھا شام میں

(مرثیہ: خلقِ حسنؑ) ....

---

(۹۴) طاہر حسین کاظمی' ڈاکٹر' اُردو مرثیہ میر انیس کے بعد' دہلی: ایجوکیشن آرٹ پرنٹرز' ۱۹۹۷ء' ص ۳۸۸

عدا یہ دی کہ شغالو قریب آؤ تو　　جو سورما ہیں زمانے کے ان کو لاؤ تو
فنونِ حرب کے انداز کچھ دکھاؤ تو　　لؤ اس لکیر سے آگے قدم بڑھاؤ تو
مزہ تو جب ہے کہ لشکر کی یوں صفائی ہو
یہاں حسام چلے شام میں دہائی ہو

(مرثیہ: سرکارِ وفا)

....

کتنے حسین ہاتھ تو کیا خوش نظر ہیں پاؤں　　عالم کی رہبری کے لئے معتبر ہیں پاؤں
اسلام کی وہ دست ہے ان کے جدھر ہیں پاؤں　　یہ پشتِ مصطفیٰؐ پہ نہیں عرش پر ہیں پاؤں
ہاتھوں پہ مثلِ زلف خرد کی زمام ہے
معراج اس ادا کی بلندی کا نام ہے

(مرثیہ: خلقِ حسنؑ)

....

اس باب کے آخر میں ہم نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ سید وحید الحسن ہاشمی جدید مختصر مرثیے کے پیش رو ہیں۔ یہی سبب ہے کہ پورے پنجاب میں خصوصاً اور پاکستان میں عموماً مختصر مرثیے کو جو عروج حاصل ہوا اس کی داغ بیل ڈالنے والے سید وحید الحسن ہاشمی ہیں۔ ہاشمی صاحب کی اس پراثر تحریک کے باعث پورے پاکستان میں بیسیوں مرثیہ نگار پیدا ہوئے اور انہوں نے مختصر مرثیے لکھ کر اُردو شاعری کو نئے نئے ذائقوں سے آشنا کیا۔ انہوں نے نہ صرف احباب کو مختصر مرثیے کی طرف مائل کیا بلکہ ان کے مختصر مرثیے بھی شائع کیے۔ (۹۵) ان عظیم المرتبت مرثیہ گو شعرا میں ڈاکٹر خیال امروہوی' ڈاکٹر عاصی کرنالی' پروفیسر حسن عسکری کاظمی' نیساں اکبر آبادی' سہیل بناری' سید مظفر نقوی' فضل حسن عرفی' سید طاہر ناصر علی' سید علی رضا کاظمی' سید ظہور حیدر جارچوی' سید ظہیر الدین حیدر' خلش پیر اصحابی' رئیس احمر' نشاط واسطی' وجاہت حسین وجاہت' سید علی ضیغم ہمدانی' رضوان عزمی امروہوی' زاہد بخاری' حشمت علی قیصر

---

(۹۵)　(i) وحید الحسن ہاشمی' سید' حل من ناصرا لاہور: مرثیہ نگاران پنجاب' ۲۰۰۰ء
(ii) وحید الحسن ہاشمی' سید' حل من ناصرا (جلد دوم) لاہور: مرثیہ نگاران پنجاب' ۲۰۰۲ء

اور محترمہ شہر بانو کے اسمائے گرامی بطور خاص پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عاصی کرنالی کی یہ رائے ہمارے پیش کردہ موقف کی بھرپور تائید کرے گی۔ ملاحظہ فرمایئے:

"۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ سیّد وحید الحسن ہاشمی کو عمر طویل عطا فرمائے کہ وہ علم و ادب کی کئی جہتوں میں نہایت وقیع کام کر رہے ہیں اور تخلیق، تنقید اور تحقیق کے میدان میں گراں قدر جواہر سے خزینۂ معارف میں اضافہ کر رہے ہیں۔ علی الخصوص رثائی ادب کے کارواں کی قیادت فرما رہے ہیں"۔۔۔۔ (۹۶)

اب یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ سیّد وحید الحسن ہاشمی نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں مختصر مرثیے کا جو پورا اخلوص نیت کے ساتھ لگایا تھا۔ اب وہ ایک شجر سایہ دار بن چکا ہے۔

آخر میں چلتے چلتے عصر حاضر کے ایک نوجوان شاعر عرفی ہاشمی کی ایک نظم ملاحظہ فرمایئے جس میں انہوں نے احساس دلایا ہے کہ سیّد وحید الحسن ہاشمی کے کارناموں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اب وہ ایک فرد نہیں بلکہ مستقل ادارہ ہیں۔ (۹۷)

شبِ ادب میں اُجالوں کا استعارہ ہے
وہ ایک فرد نہیں مستقل ادارہ ہے

وہ فرد عہد نہیں، عہد ساز ہے یارو
کٹے جو اس سے تو اب عہد کو خسارہ ہے

زمانہ اس کے تمسک سے فیض پاتا ہے
اب اس کی ذات سمندر نہیں کنارا ہے

---

(۹۶) عاصی کرنالی، ڈاکٹر، حل من ناصرا (جلد دوم) لاہور: مرثیہ نگاران پنجاب، ۲۰۰۲ء ص ۹

(۹۷) عرفی ہاشمی "وہ ایک فرد نہیں مستقل ادارہ ہے" نظم، مطبوعہ ماہنامہ "شام و سحر" لاہور دسمبر ۲۰۰۲، ص ۳۵

جہاں بھی حرمتِ معیارِ فن کی بات چلی
مرے ادب نے ہمیشہ تجھے پکارا ہے

انیس و غالب و اقبال و جوش کی مانند
ہمیں سکوں ہے کہ یہ شخص بھی ہمارا ہے

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ واقعۂ کربلا کا سب سے بڑا فیض یہ ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلق اعلیٰ معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے۔ وحید الحسن ہاشمی نے بھی واقعۂ کربلا کے وسیلے سے اپنی عزائی شاعری کے ذریعہ اعلیٰ تر معاشرتی اقدار کو فروغ دینے کی جو کوشش کی ہے، وہ لائق تحسین ہے۔ آلِ رضا اور جوش ملیح آبادی کی رحلت سے اُردو عزائی ادب میں جو خلاء پیدا ہو گیا تھا، وحید الحسن ہاشمی نے اپنے نادر الوجود و اسلوبیاتی مرثیوں کے ذریعے اس کو پر کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کی رثائی شاعری مواد اور اسلوب کے لحاظ سے آلِ رضا اور جوش کے شاعرانہ محاسن کا پر تجمل امتزاج ہے۔

❖❖❖

انتخاب

(جدید مختصر مرثیے)

زندگی

وحدت جمال کل ہے تو مظہر ہے زندگی

(مرثیہ در حال حضرت علی اکبر علیہ السلام)

نبصرہ

ڈاکٹر خیال امروہوی

❖

بچپن

زیست کی منزل اوّل کا سفر ہے بچپن

(مرثیہ در حال حضرت علی اصغر علیہ السلام)

نبصرہ

ڈاکٹر نیر صمدانی

❖

کشمکش

کشمکش ذہن کی اُلجھی ہوئی قوت کا ہے نام

(مرثیہ در حال جناب زینب سلام اللہ علیہا)

نبصرہ

ڈاکٹر سلیم اختر

❖

زندگی

مرثیہ حضرت علی اکبر علیہ السلام

(۵۶ بند۔۱۹۷۸ء)

زندگی

یوں تو مرثیہ نگاری کی تاریخ بے حد قدیم ہے' لیکن برصغیر پاک و ہند میں اس صنف کو ایرانی وضع کی "نظم" رثا کی ہیئت سے نکال کر مسدس (اور وہ بھی ایسی مسدس' جو تاریخی واقعات' منظر نگاری' رزم و بزم' شخصی کردار و عظمت سے معمور ہو) تخلیق کرنا اُردو کے جید شعراء ہی کا کام تھا' لیکن دبستان انیس و دبیر اور ان کے مقلدین نے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں انہیں بار بار دہرایا تو جا سکتا ہے' اس کا تخلیقی اعادہ نہیں کیا جا سکتا ——!

وحید الحسن ہاشمی صاحب کا مرثیہ اس اعتبار سے واقعاً لائق مطالعہ ہے کہ اس میں روایت کے ساتھ جذب و وجدان کو دخل ہے۔ زبان کی سلاست اور روانی' قافیوں کی برجستگی اور واقعۂ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ جیسے عظیم جواں مرد کی کردار نگاری میں موصوف نے فکری اور لسانی خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس مرثیے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نیا پن پایا جاتا ہے۔ قدیم فارسی و اُردو قوانی کو موقع محل اور واقعات کے تناظر میں بھرپور لسانی دروبست سے استعمال کیا ہے' جو وحید الحسن ہاشمی کی قادرالکلامی کی دلیل ہے۔ اس لحاظ سے وحید صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ موصوف نے آج کے ابہام پسند عہد میں فصاحت و بلاغت' لطافت و طلاقت کے عظیم جوہر دکھانے میں نہ صرف اپنا ثقافتی اور مذہبی فریضہ پورا کیا ہے' بلکہ صنفِ مرثیہ کو نیا لب و لہجہ عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر خیال امروہوی

زندگی

وحدت جمالِ کُل ہے تو مظہر ہے زندگی   حُسنِ ازل ہے رُوح تو پیکر ہے زندگی
قدرت ہے جس کا رنگ وہ منظر ہے زندگی   عہدِ الست نور ہے محور ہے زندگی
خالق سے اختیارِ دو عالم لئے ہوئے
اتری زمیں پہ صورتِ آدمؑ لئے ہوئے

آدمؑ کے ساتھ کھل گیا ایوانِ زندگی   جاری ہوا زمیں پہ دبستانِ زندگی
پھیلا ہوا کی طرح سے دامانِ زندگی   بولی زبان ہو گیا اعلانِ زندگی
لفظ و بیاں عدم سے جو آئے وجود میں
شاہد خدا کے نام سے اُبھرا شہود میں

ذوقِ مشاہدہ جو بڑھا زندگی بڑھی   تصدیقِ آفتاب ہوئی روشنی بڑھی
دن کی طرح نگاہ بڑھی آگہی بڑھی   سینے میں دل جوان ہوا دلکشی بڑھی
آنکھوں کو انقلاب ملا نُور کی طرح .
اب زندگی عروس بنی حُور کی طرح

اٹھلا کے حورِ فکر نے اوڑھی ردائے حُسن   جاری لبِ خرد پہ ہوا ماجرائے حُسن
تصویرِ کائنات جو مچلی برائے حُسن   پھولوں کو آفتاب نے بخشی قبائے حُسن
بکھری بساطِ ارض پہ گری نمود کی
انسان کو عطا ہوئی جنت وجود کی

اس جسمِ وجود میں لہرائی زندگی　　ہر سمت شاخ شاخ نظر آئی زندگی
خالق نے یوں شعاعوں سے پھیلائی زندگی　　صحرا نے مسکرا کے کہا پائی زندگی
جان آ گئی جو سعیِ عمل کے شباب سے
ذرے کلام کرنے لگے آفتاب سے

ذروں کی گفتگو نے دیا زندگی کو رنگ　　حیراں ہوئے پہاڑ تراشے گئے وہ سنگ
مخلوق کے مزاج میں تخلیق کی اُمنگ　　تحصیلِ امن کے لئے لازم ہو جیسے جنگ
جدت کی سمت مرکبِ تہذیب موڑ کے
انساں نے عطر لے لیا پتھر نچوڑ کے

پتھر نچوڑنے کا یہ انداز دیکھ کر　　جھپٹے سپاہِ خیر کی جانب جنودِ شر
ابلیس شعلہ بار ہوا فکرِ نوحؑ پر　　سارے جہاں میں پھیل گیا آتشیں اثر
کشتیِ نبی نجات کا سامان ہو گیا
پانی کو غیظ آ گیا طوفان ہو گیا

طوفاں کی موج موج پہ کشتی رواں ہوئی　　چکرا گئے بھنور وہ روانی عیاں ہوئی
چادر کی طرح وادیٔ کوہِ گراں ہوئی　　آئی صدائے زندگی میں آسماں ہوئی
انساں سمندروں کے مدینے میں آ گیا
باقی وہی رہا جو سفینے میں آ گیا

دیکھا جو زندگی کے سفینے کا انقلاب　　بولا اُبھر کے قلزمِ گردوں سے ماہتاب
ظلمت کہاں سے لائے گی اس نور کا جواب　　یہ زندگی ہے چشمِ حقیقت کا انتخاب
اسمائے پنج تن کا اگر بادبان ہے
اس کشتیِ عمل کی زمیں آسمان ہے

بالجملہ وقت بڑھتی رہی کشتیِ عمل — سورج کی طرح جلتی رہی شمعِ لم یزل
پھر شاخِ زندگی کو میسر ہوا وہ پھل — جس کو شکست دے نہ سکی تلخیِ اَجل
انوارِ فکر چادرِ ظلمت میں چھن گئے
شعلے مہکتے پھولوں کا قالین بن گئے

انسان نے سجا دیا قالینِ زندگی — تجزیے آگ پر ہوا آئینِ زندگی
حُسنِ خلیل سے ہوئی تزئینِ زندگی — نمرودیت کی موت بنا دینِ زندگی
اتنی بلند ہو گئی منزل شعور کی
خواہش ہوئی نبیؑ کو امامت کے نور کی

اب زندگی تھی نورِ امامت سے ضَوفشاں — اس نور نے بڑھایا مشیت کا کارواں
اُبھرا برنگِ خواب نبوت کا امتحاں — خنجر پدر کا حلقِ پسر پر ہوا رواں
لیکن یہ مصلحت ہوئی ربِ کریم کی
خنجر پہ مہر لگ گئی ذبحِ عظیم کی

یہ رنگِ مصلحت جو بڑھا زندگی کے ساتھ — بڑھنے لگا غبارِ حسد آدمی کے ساتھ
غارت گری جوان ہوئی سرکشی کے ساتھ — تاریکیاں اُلجھنے لگیں روشنی کے ساتھ
انسانیت کو چاہ میں دنیا گرا گئی
یعقوبؑ زندگی کی نظر کام آ گئی

یعقوبؑ زندگی کی نظر حاصلِ نظر — اشکوں کے آئینے میں تماشائے خیر و شر
دل دے رہا تھا مصر کے بازار کی خبر — تسکین پر محیط رہی فرقتِ پسر
سچ ہے بشر بغیر محبت ہلاک ہے
یوسفؑ جدا رہے تو زمانے پہ خاک ہے

یوسف کے حسنِ رُخ سے ہوئی زندگی حسیں — زندہ رہے گا عشقِ زلیخا ہوا یقیں
چمکے خدا کے نور سے جب وقت کی جبیں — کٹ جائیں انگلیوں کی جگہ سر عجب نہیں
بزمِ وفا میں آئینہ سامانیاں بہت
یوسف کا حُسن چاہیے قربانیاں بہت

قربان گہِ حیات میں انسان کا قدم — تازہ ہو جس طرح جسدِ زندگی میں دم
کھلنے لگا جو شدتِ احساس کا علم — پانی پہ بہتی قبر ہوئی زیست کا بھرم
آثارِ حق طبیعتِ ماہی پہ چھا گئے
یونسؑ اجل کے ساتھ سفر کر کے آ گئے

پہنچا اس انقلاب پہ آئینۂ سفر — لوہے کو چٹکیوں سے مسلنے لگا بشر
جھومی فضا ترنمِ وحدت پسند پر — پیمانۂ زبور سے چھلکی نئی سحر
تحریر میں حیات کا نظم و نسق ملا
داؤدؑ کو زمیں پہ حکومت کا حق ملا

اُٹھا جہاں میں حقِ وراثت کا اب سوال — مستقبلِ حیات پہ چھائی بساطِ حال
اہلِ نظر سمجھ گئے زخموں کا اندمال — گویا ہوئی زمانے سے تاریخِ ماہ و سال
میراثِ انبیا کا یہ اعلان ہو گیا
داؤدؑ کا چراغ سلیمانؑ ہو گیا

عالم پہ اس چراغ کی لو نے کیا حصار — جلوے بڑھے سمٹ گئی ظلمات کی دستار
دیکھا جو زندگی کے اُجالوں کا اقتدار — سائے کی طرح چھپ گئے ذروں میں کوہسار
گھبرائے جس سے رعد وہ آواز مل گئی
انساں کو جبرئیل کی پرواز مل گئی

پرواز کے شعور نے دیکھا چراغِ طور ظاہر ہوئی جبینِ شجر سے شعاعِ نور
موسیٰؑ کے شوقِ دید پہ گویا ہوا شعور آ طالبِ جمالِ خدا کس لئے ہے دُور
خواہش ہے حسنِ غیب کے اظہار کے لئے
تابِ نظر بھی چاہیئے دیدار کے لئے

اے چشمِ شوق کھیل نہیں ہے مذاقِ دید ہے سجدۂ خیال میں اہلِ وفا کی عید
دستورِ عشق چاہیئے توریت کی نوید مر جائے نامِ حق پہ تو انسان ہے شہید
جذبِ کلیمؑ پر یہ شہادت کی آب ہے
بجلی نہیں گری، اَرنی کا جواب ہے

دنیا غنچۂ اَرنی پہ ہوئی جو دنگ بدلا نظامِ فکر سے پھر زندگی کا رنگ
ایسا مریض ہو گیا ہستی کا انگ انگ ہر زندگی ہوئی خلشِ زندگی سے تنگ
ایسے میں روشنی کا چمن لے کے آ گئے
عیسیٰؑ علاجِ رُوح و بدن لے کے آ گئے

کتنا عظیم روح و بدن کا علاج تھا لٹتی رہی صداقتِ انجیل کی دوا
لیکن صلیبِ وقت کے اشکوں نے کہہ دیا اے زندگی سنبھل یہ زمانہ ہے بے وفا
جن کا کرم محیط تھا سارے جہان پر
وہ لوگ اشکبار گئے آسمان پر

چشمِ کرم جو روئے تو آتا ہے انقلاب کرتا ہے وقت ظلمِ زمانہ کا احتساب
اک ذہن میں سمٹتی ہے کونین کی کتاب ملتا ہے پھر تمام سوالوں کا اک جواب
پا کر سکون خلقِ خدا کے نظام سے
قرآن بولتا ہے محمدؐ کے نام سے

قرآن ہی سے پوچھیئے قرآن کا سفر   وہ منزلِ حرا وہ تجلّی کا مستقر
وہ سینۂ نبیؐ جسے کہیے خدا کا گھر   وہ آمنہؓ کا چاند وہ آیات کی نظر
لائے امینِ وحی مشیت کی راہ سے
خوش ہو گیا لپٹ کے رسالتؐ پناہ سے

اب زندگی تجلّی اصلِ اصول تھی   اب زندگی متاعِ کمالِ عقول تھی
گلزارِ کائنات میں بے مثل پھول تھی   اب زندگی لباسِ بشر میں رسولؐ تھی
جلوہ کیا زمانے پہ وحدت کے نور نے
فاران کو سلام کیا کوہِ طور نے

آئے حضورؐ شیوۂ آزر اُلٹ گیا   رحمت بڑھی تو ظلمِ اجل سے لپٹ گیا
مٹی میں شامیانۂ عالم سمٹ گیا   ہر انتشار ضربتِ قرآں سے کٹ گیا
کفر آشنا نظر کے مشاغل بدل گئے
ذہنوں سے بُت فرار ہوئے دل بدل گئے

مردہ دلوں کو جوہرِ قابل بنا دیا   گردابِ اشتباہ کو ساحل بنا دیا
بے دین کو نجات کا حامل بنا دیا   زاغ و زغن کو مثلِ عنادل بنا دیا
طائر اُڑے ہوا میں سلیمانؑ کی طرح
تصویر بولنے لگی انسان کی طرح

انسانیت کو پھولنے پھلنے کا حق ملا   چمکی کتابِ خُلق سنہرا ورق ملا
دلکش ہوئے خیال و معانی سبق ملا   ذہنوں کو انقلاب کا نظم و نسق ملا
دوڑی نگاہ نشوونما کے سراغ میں
مہکے عمل کے پھول تمدن کے باغ میں

آدمؑ کا لال کاشفِ رازِ بقا بنا　　سب سے حسیں جوان ہوا لافتا بنا
تاریخ کے سفر کی قسم کیا سے کیا بنا　　اسلام کی زبان سے مشکل کشا بنا
فیضِ نظر سے رنگِ اثر کانٹنے لگا
انسان جبرئیلؑ کے پر کانٹنے لگا

یوں بال و پر پہ حوصلۂ بال و پر کھلا　　قلب و نظر پہ مقصدِ قلب و نظر کھلا
چولیں ہلیں تو خیبرِ ہستی کا در کھلا　　نادِ علی سے وقت کے مرحب کا سر کھلا
تلخیٔ زیست بادۂ پرکیف بن گئی
باطل کی تیغ لقمۂ لاسیف بن گئی

انسان کے عروج پہ حیراں تھے خشک و تر　　تھی زندگی شعاع تو سورج دلِ بشر
خود کہہ رہی تھی قافلۂ وقت کی نظر　　مرجائیں کیوں نہ اہلِ جہاں ان اداؤں پر
آنکھوں میں حد لئے ہوئے دونوں جہان کی
نظریں زمیں کی سمت خبر آسمان کی

شیطاں کو یہ حیات کا عنواں نہ تھا پسند　　ملعون کو نجات کا ساماں نہ تھا پسند
کافر نظر کو چہرۂ قرآں نہ تھا پسند　　بدبخت کو نصیبِ سلیمانؑ نہ تھا پسند
خارِ حسد سے دستِ خلش مل کے رہ گیا
خلقت میں آتشیں تھا مگر جل کے رہ گیا

آبِ حیات دیکھ کے بھڑکی حسد کی آگ　　گونجے منافقت کی دھنوں میں ستم کے راگ
ڈسنے چلے سکون کو غارت گری کے ناگ　　سفیانیت نے تھام لی اسپِ جنوں کی باگ
لیکن سوادِ ظلم کا نقشہ بدل گیا
صلحِ حسنؑ کی ضرب پڑی دم نکل گیا

اب پیکرِ یزید میں اُبھرا غرورِ شام — اب ظلمتوں کے سنگ تھے اور زندگی کا جام
بولا غبار چاہیے سورج سے انتقام — اب کربلا کا دشت تھا اور وقت کا امام
مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو
اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

اب دامنِ حسینؑ تھا اور ساری کائنات — صدیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی بس ایک ذات
محدود ایک دل میں ہوا مرکزِ حیات — اب دیکھنا تھا کون رکھے گا خدا کی بات
محنت مچل رہی تھی رسالت مآبؐ کی
اسلام بھیک مانگ رہا تھا شباب کی

اکبرؑ کی سمت دیکھ کے کہنے لگے حسینؑ — اسلام کا سوال سُنا' میرے نورِ عین
اے لال تم ہو باغِ رسالت کی زیب و زین — تم ہی اسے جواب دو زینبؑ کے دل کے چین
قرآں جسے پڑھے وہ کہانی عطا کرو
سائل کو آج اپنی جوانی عطا کرو

اکبرؑ اُٹھے تو جھوم گیا باغِ زندگی — اسلام نے رسول کی تصویر چوم لی
یٰسین کے خطاب نے یہ داستاں کہی — اس چاند پر فدا مہِ کنعاں کی روشنی
یوسف رہے عزیزِ دلِ پاک باز میں
اکبرؑ کا نام ہو گیا شامل نماز میں

ماتھے کا نور سیدؐ ابرار کی طرح — آنکھیں نبیؐ کے دیدۂ انوار کی طرح
رفتار بھی رسولؐ کی رفتار کی طرح — پیکر تمام احمدؐ مختار کی طرح
حمدِ خدا کا سرو سی قد ہے دوسرا
صورت بتا رہی تھی محمدؐ ہے دوسرا

وہ دلکشی، وہ حسن، وہ تنویر، وہ ضیاء — جیسے دُعائے نور میں چہرہ دُھلا ہوا
زلفوں کو پیار کر کے گزرتی تھی جب صبا — اصحاب مسکرا کے یہ کہتے تھے برملا
بھیگی ہوئی مسیں تھیں رُخ لاجواب تھا
بالکل یہی رسولؐ خدا کا شباب تھا

وہ لازوال عہدِ جوانی کے خدوخال — ہر سمت سے رسولؐ کا آئینۂ جمال
پیغمبریؐ مزاج میں وہ حیدریؑ جلال — معصوم تربیت کا وہ نکھرا ہوا کمال
شرحِ من الحسین کا پورا بیان تھے
اسلام مطمئن تھا کہ اکبرؑ جوان تھے

اکبرؑ تھے آگہی کے لئے آگہی کے چاند — لیلیٰؑ کے دل کی روشنی سبطِ نبیؐ کے چاند
دنیائے اہلِ بیتؑ میں سب کی خوشی کے چاند — اٹھارھویں برس کی قسم زندگی کے چاند
گلزارِ مصطفیٰؐ میں مشیّت کا پھول تھے
آتی جو اِن پہ وحی تو یہ بھی رسول تھے

بچے اس آن بان کے پیدا کہاں ہوئے — آئے زمیں کی رحل پہ اور آسماں ہوئے
قد قامت الصلوٰۃ کی صورت عیاں ہوئے — عباسؑ کے مزاج میں ڈھل کر جواں ہوئے
اسلام کی بقا کا سبق تھا زبان پر
اک ہاتھ ذوالفقار پہ تھا اک نشان پر

بہنوں نے حوصلہ دیا ماں سے ملی اُمنگ — سجادؑ سے ملا صفتِ رہبری کا رنگ
عباسؑ نے سکھا دیئے سارے فنونِ جنگ — شبیرؑ نے بتا دیئے سب زندگی کے ڈھنگ
شیرِ خدا کے شیر کا مظہر بنا دیا
زینبؑ کی لوریوں نے تو اکبرؑ بنا دیا

عاشور کی زبان سے سنئیے یہ ماجرا   کس طرح اس جوان کو روئی ہے کربلا
وہ خنجروں کی زد پہ سراپا رسولؐ کا   شبیرؑ ڈھونڈتے رہے اور چاند چھپ گیا
انسانیت یہ خون رکھے گی نگاہ میں
نوکِ سناں سے پھول کھلا رزمگاہ میں

نوکِ سناں جو سینے میں پیوست ہو گئی   یعنی جوان شاخ سے ٹوٹا گلِ نبیؐ
پشتِ فرس چھٹی تو صدا شاہِ دیںؑ کو دی   بابا قریب ہے کہ بجھے شمعِ زندگی
قربان کر رہا ہوں جوانی کے باغ کو
طوفاں میں دیکھ لیجئے اپنے چراغ کو

شبیرؑ نے سنی جو پسر کی صدائے غم   رفتارِ نبض رک گئی آیا لبوں پہ دم
رن کی طرف چلے مگر اٹھتے نہ تھے قدم   تڑپے تو اور ہو گیا آنکھوں کا نور کم
رستہ کٹھن تھا نورِ نظر کی تلاش میں
یعقوبؑ جا رہے تھے پسر کی تلاش میں

آواز دے رہے تھے شہِ دیںؑ یہ بار بار   بیٹا ضعیف باپ کا لازم ہے انتظار
آنکھیں جواب دیتی ہیں اور دل ہے بیقرار   اے میرے شیر بیچ میں ہے فوج نابکار
کس طرح زندگی کا مداوا کرے حسینؑ
کیسے گلے لگائے تجھے کیا کرے حسینؑ

لیکن ضعیف باپ کی ہمت جوان تھی   مظلومیت جوانیِ اکبرؑ میں ڈھل گئی
سوکھے ہوئے لبوں سے پکارا جو یا علیؑ   قبضے سے ذوالفقار تڑپ کر نکل پڑی
شیرِ خدا کی طرح تھے لشکر کے سامنے
مثلِ دعا پہنچ گئے اکبرؑ کے سامنے

اکبرؑ کا حال دیکھ کے مقتل نے دی صدا　　اے فاطمہؑ کے لال گلِ تر بکھر گیا
گھوڑوں سے پاش پاش ہے تصویرِ مصطفیٰؐ　　برچھی کے ساتھ سینے میں دم ہے رُکا ہوا
کیا ہے شباب صبر دکھا دیجئے حسینؑ
کڑیل جواں کی لاش اُٹھا لیجئے حسینؑ

بجھتے ہوئے چراغ پہ جھکنے لگے جو شاہؑ　　خود اپنی بیکسی کے لبوں سے سُنی کراہ
معراجِ زندگی پہ یہ صورت ہوئی گواہ　　نوکِ سناں پہ ہاتھ نجف کی طرف نگاہ
پھیلا وہ ابرِ درد زمانہ بدل گیا
نوکِ سناں نکل تو گئی چاند ڈھل گیا

ہاتھوں پہ لے کے چاند کی میت اٹھے امامؑ　　لے کر خدا کا نام چلے جانبِ خیام
سورج کا رنگ دیکھ رہی تھی سپاہِ شام　　خط کھینچتا تھا فرشِ زمیں پہ مہِ تمام
دریائے زندگی تھا روانی لئے ہوئے
اسلام جا رہا تھا جوانی لئے ہوئے

خیمے کے در پہ ثانیِ زہراؑ کا انتظار　　سوچے بشر تو ذہن کی دنیا ہو تار تار
تھرا رہا تھا خیمے کا پردہ جو بار بار　　آواز دے رہا تھا فضاؤں کا اضطرار
اس مرحلے پہ درد بھرے دل کو تھامئے
شبیرؑ کیسے جائیں گے زینبؑ کے سامنے

آخر بہن کے سامنے آئے شہِ امامؑ　　رکھی زمیں پہ لاش بہن سے کیا کلام
زینبؑ تمہارے باغ میں آئی ہوائے شام　　لیلیٰؑ سے کہدو دیکھ لے اپنا مہِ تمام
خیمے میں پھر شبیہِ پیمبرؐ نہ آئے گا
جی بھر کے دیکھ لو علی اکبرؑ نہ آئے گا

لیلیٰؑ کی سمت ثانیِ زہراؑ نے کی نظر　　اب ماتا کا جوش تھا اور لاشۂ پسر
ہالہ شفق نما جو ملا اپنے چاند پر　　سہرے کی حسرتوں سے لہو ہو گیا جگر
صغراؑ کا انتظار تصور پہ چھا گیا
زخمِ سناں پہ اشک گرے اور غش آ گیا

بس اے وحیدؔ روتی ہے مجلس میں زندگی　　اشکوں نے بخش دی ہے مودت کی روشنی
اس روشنی سے فکر کو یہ آگہی ملی　　سینے میں کربلا ہے تو زندہ ہے آدمی
یہ فیصلہ مقدرِ اہلِ شعور ہے
دینِ خدا جوانیِ اکبرؑ کا نور ہے

❖❖❖

بچپن

مرثیہ حضرت علی اصغر علیہ السلام

(۵۰ بند۔۱۹۹۲ء)

❖

بچپن

ایک شاعر اور عالم کی حیثیت سے وحید الحسن ہاشمی کے کلام میں وجدانی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ زندگی کی جملہ پہلوداری کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ عمیق مطالعے اور مشاہدے نے ان کے فنکارانہ اظہار کو مزید حسن بخش دیا ہے۔ وحید الحسن ہاشمی مرثیہ نگار کی حیثیت سے خاص مقام اور مرتبہ رکھتے ہیں۔ مرثیہ لکھتے ہوئے وہ جزئیات کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی کی غیر معمولی ژرف نگاہی نے علی اصغرؑ کے بچپن کی تصویر اپنے لفظوں میں زندہ اور متحرک کر دی ہے۔ علی اصغرؑ کی ولادت کم سنی اور شہادت کی تمام جزئیات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ شاعر کا فنی، سماجی اور مذہبی شعور نقطۂ کمال کو چھوتا ہے۔ جب ہم علی اصغرؑ کی شہادت کے واقعات کو پڑھتے ہیں تو شاعر کا باطنی سوز و گداز ان کی شاعری میں محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے فکر، جذبے اور سوز کی ہم آہنگی سے شاعر کے لفظ شعاعوں کی طرح ظلمتوں کے خلاف صداقت کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے وحید الحسن ہاشمی کی شاعری فنی اور روحانی ریاضتوں کے غیر معمولی سفر کا حاصل ہے۔

ڈاکٹر نیر صمدانی

بچپن

زیست کی منزلِ اوّل کا سفر ہے بچپن — جس سے اوجھل ہے جوانی وہ نظر ہے بچپن
جس کی حد بے خبری ہے وہ خبر ہے بچپن — عقل بھی جس میں کھلونا ہے وہ گھر ہے بچپن
بے پس و پیش کہاں اس کے قدم رکتے ہیں
اس کے قد پر تو بزرگوں کے بھی قد جھکتے ہیں

یوں تو کہنے کو ہے انسان کا بچپن بچپن — ہے مگر خفتہ توانائی کا معدن بچپن
چشمِ ظاہر میں ہے بالکل تہی دامن بچپن — چشمِ باطن میں عزائم کا ہے مخزن بچپن
منزلیں کرتا ہے طے صبر کی طاقت کی طرح
اس کی رفتار ہے رفتارِ قیامت کی طرح

اپنے ماحول میں اللہ کی رحمت بچپن — ماں کی آغوش میں سیمائے سعادت بچپن
اس قدر رکھتا ہے احساس کی قوت بچپن — نوجوانوں پہ بھی لے جاتا ہے سبقت بچپن
ہے یہ اعزاز مجاہد نہ سپاہی کے لئے
اس کو خالق نے پکارا ہے گواہی کے لئے

امتیازات میں فطرت کی نمائش بچپن — تپشِ جبر میں ہے صبر کی تابش بچپن
دیکھ کر اجڑے ہوئے قلب کی خواہش بچپن — مسکراہٹ کی کیا کرتا ہے بارش بچپن
معجزے نطق و طلاقت کے کیا کرتا ہے
بے کہے لفظ کا مفہوم ادا کرتا ہے

گنجِ ہستی میں ہے اک جوہرِ نادر بچپن کل مذاہب کی نگاہوں میں ہے طاہر بچپن
یوں تو اندازِ تکلم سے ہے قاصر بچپن مدتوں روتا ہے اک زیست کی خاطر بچپن
غرقِ عقبیٰ ہے نہ دنیا کی خبر رکھتا ہے
بھوک اور خوف کا احساس مگر رکھتا ہے

اولین صورتِ نسلِ بنی آدم بچپن گوہرِ مقصدِ تخلیقِ دو عالم بچپن
اس قدر رنگِ تغیر کا ہے محرم بچپن کبھی بن جاتا ہے شعلہ کبھی شبنم بچپن
سازِ پیکار کو سنتا ہے کہانی کی طرح
آتشِ شوق کو پی لیتا ہے پانی کی طرح

جب بھی مولود کے آنے کی خبر ہوتی ہے منظرِ شامِ تمنا میں سحر ہوتی ہے
حال پر جذبۂ ماضی کی نظر ہوتی ہے حسرت کم اثری زود اثر ہوتی ہے
طفلِ ماحول میں اک رمز نیا دیتا ہے
اپنے رونے سے وہ جینے کا پتہ دیتا ہے

دہر میں عالمِ طفلی کی عجب ہے روداد اس کے حلقے میں کوئی صید نہ کوئی صیاد
اس پہ واجب ہے نہ روزہ نہ صلوٰت اور نہ جہاد پیروِ دینِ خدا اور شریعت آزاد
اسپہ ہنگامۂ عالم کا اثر کوئی نہیں
مبتدا اس کی نظر میں ہے خبر کوئی نہیں

حیرتِ آئینہ ہے اس کی روِ جلوہ گری اپنی گمنام گزرگاہ کا تنہا سفری
اس کی آنکھوں میں ہے آیات کی موجوں کی تری یہ خبر جانتی ہے اس کی رگِ بے خبری
مٹھیاں کھول کے کہتا ہے یہاں کچھ بھی نہیں
بند آنکھیں یہ بتاتی ہیں جہاں کچھ بھی نہیں

ایک بچہ ہے وجودِ کرمِ حق کی دلیل
ایک معصوم ہے فطرت کے مقاصد کی سبیل
ایک پیکر ہے مصور کے قلم کی تعمیل
ایک قطرہ ہے جو پھیلے تو سمندر ہیں قلیل
عام کرتا نہیں اظہار کی طاقت اپنی
بس تبسم سے لٹاتا ہے یہ دولت اپنی

اس کا دل مہبطِ الہام، نظر ہے معصوم
اپنی فطرت میں چھپائے ہوئے اپنا مقسوم
لب ہیں خاموش مگر قلب کی خواہش معدوم
آنکھ حیراں ہے نگاہوں میں ہے جذبوں کا ہجوم
اس کی صورت پہ فدا درد کے منظر کتنے
ایک بچہ ہے مگر اس کے لئے گھر کتنے

اس کے معصوم تصور میں تبر ہے نہ خدنگ
اس کے سینے میں نہ دولت نہ قیادت کی امنگ
اس کے رخ پر نہ مفادات کے گلدان کا رنگ
اپنے دشمن کے لئے ہاتھ میں تلوار نہ سنگ
اس کے دل میں عصبیت کی نشانی ہی نہیں
جو مرے اس کی طبیعت میں وہ پانی ہی نہیں

سازِ فطرت اسے ہر طرح سے بہلاتا ہے
عطرِ گلہائے محبت اسے مہکاتا ہے
جب مئے زیست کا دم بھر کو خمار آتا ہے
وقت منہ چوم کے پہلو سے نکل جاتا ہے
کیا خبر عمر کی رَو ہنستی ہے یا روتی ہے
سال کم ہو تو یہاں سالگرہ ہوتی ہے

ہیچ ہے اس کی نگاہوں میں ہر اک صاحبِ تاج
اس کے احساس کی دنیا میں کسی کا نہیں راج
بچپنا اور یہ اندازِ شہنشاہ مزاج
ہر زمانے سے عنایات کا لیتا ہے خراج
ذکرِ کاغذ نہ کبھی فکرِ قلم کرتا ہے
اپنے انفاس سے تاریخ رقم کرتا ہے

بزمِ اطفال میں ایسا بھی ہے اک طفلِ جمیل   گرم صحرا پہ جسے چھوڑ گئے حق کے خلیلؑ
ماں پریشاں ہے کہ پانی کی نہیں کوئی سبیل   ہے مگر اپنے خدا پر نظرِ اسماعیلؑ
یہ وہ بچہ ہے کہ دیکھے تو کوئی دم نکلے
جس جگہ ایڑیاں رگڑے وہیں زمزم نکلے

یہ اسی طفل کا فیضان ہے دنیا میں کہ آج   حکمراں بن گئی وہ قوم جو کل تھی محتاج
دستِ دہقاں کو عطا کر کے صعوبت کا علاج   خشک موسم میں اگلوایا ہے پتھر سے اناج
لو کے جھونکوں میں طبیعت کو روانی ہے نصیب
اس کا صدقہ ہے کہ حجاج کو پانی ہے نصیب

ورقِ دہر پہ اک طفل کا ہے نام رقم   رہ گیا جس کے سبب صاحبِ عصمت کا بھرم
جانبِ دامنِ یوسفؑ جو بڑھا دستِ ستم   ہو گیا موردِ الزام پیمبرؑ کا حشم
تہمتِ خالقِ عالم کے بیاں نے دھویا
داغِ الزام کو بچے کی زباں نے دھویا

چادرِ نیل پہ وہ دیکھیے اک طفلِ حسیں   جس طرح دین کی کشتی میں ہو سرمایۂ دیں
لوریاں دینے پہ مامور ہیں جبریلؑ امیں   اس کے چلنے کو بچھائی گئی پانی کی زمیں
عقل حیران ہے اللہ کی قدرت دیکھو
ایک بچے کی عناصر پہ حکومت دیکھو

یہی بچہ زنِ فرعون کے گھر میں آیا   اک گل اندام گلستانِ نظر میں آیا
ایک معیارِ ہنر دستِ ہنر میں آیا   ماہِ نو ابرِ طہارت کے اثر میں آیا
یہ عجب عالمِ طفلی میں حشم رکھتا ہے
دوش پر جھوٹے خداؤں کے قدم رکھتا ہے

دیکھ کر پیکرِ معصوم کے لب کی خشکی　　زن ہر نام و نسب دودھ پلانے آئی
کسی جانب دلِ موسیٰؑ نے توجہ ہی نہ کی　　ماں نے جب دودھ پلایا تو بجھی تشنہ لبی
طفل کے پیش نظر راز یہ معدوم نہیں
شیر اغیار غذائے لب معصوم نہیں

صحن عالم میں نظر آتی ہے اک ماں دلگیر　　جس کی سیرت پہ چلائے گئے الزام کے تیر
پستیِ فکر سے جب باز نہ آئے وہ شریر　　ایک بچے سے بچی ماں کے تقدس کی لکیر
طاقتِ امر جو اظہار کیا کرتی ہے
عمر دو روزہ بھی گفتار کیا کرتی ہے

کر گئی گنگ زمانے کو نبیؑ کی گفتار　　بدزبانوں کی ہوئی کند زباں کی تلوار
چھا گیا عقل و فراست پہ نحوست کا غبار　　جب سنا ذکر صحیفے کا تو لی راہ فرار
قدرتِ حق جو کبھی معجزہ دکھلاتی ہے
ایک بچے پہ بھی خالق کی کتاب آتی ہے

ایک وہ طفل ہے کہتے ہیں جسے درِ یتیم　　جس کی تسبیح پہ نازاں ہے خداوندِ کریم
جسمِ بے سایا پہ ہے سایۂ عرشِ عظیم　　اس کے کردار کا اجمال ہے قرآنِ حکیم
اس کا بچپن نفسِ عہدِ سلف رکھتا ہے
سارے نبیوں کی امامت کا شرف رکھتا ہے

اس کی آمد سے قبائل کے علم ٹوٹ گئے　　نخوت و کبر و ضلالت کے قدم ٹوٹ گئے
اس کی انگڑائی سے کفار کے دم ٹوٹ گئے　　اس کی باتوں سے مورخ کے قلم ٹوٹ گئے
ذلتِ کشتیِ ہستی کو قرار آیا ہے
ایک بچے سے تمدن پہ نکھار آیا ہے

عین کعبے میں ہوا روحِ تمدن کا ورود — ہاتھ میں زورِ خدا رخ پہ نشاناتِ سجود
لاکھ تردیدِ ولادت کرے دنیائے حسود — اس کی تائید کو ہے خود درِ کعبہ موجود
کسی مسکن نہ کسی راہ گزر میں آیا
یہ وہ بچہ ہے جو اللہ کے گھر میں آیا

گھر میں اللہ کے آتے ہی پیمبرؐ سے ملا — نورِ مہتاب ازل مہرِ منور سے ملا
عرضِ دہنِ مبیں دین کے جوہر سے ملا — آبِ دریائے وفا اپنے سمندر سے ملا
یہ عجب دہر میں اک طفلِ مسلماں آیا
جس نے قرآں کی سند دی ہے تو قرآں آیا

اسی اک نور کے دو عکس حسینؑ اور حسنؑ — ان کا بچپن ہے رسولِ عربیؐ کا بچپن
علم کے شہر کا در ان کی نظر کا مسکن — ان کے بستر کی جگہ بنتِ نبیؐ کا دامن
بچپنے میں خطِ تقدیر کو پڑھ لیتے ہیں
لوحِ محفوظ کی تحریر کو پڑھ لیتے ہیں

ان کے لب بولتے ہیں شستہ کلاموں کی طرح — پاک داماں ہیں یہ اللہ کے ناموں کی طرح
کاٹتے ہیں یہ دلیلوں کو حساموں کی طرح — ایک تسبیح کے گھر میں ہیں اماموں کی طرح
ان کے احسان سے دنیا کا کبھی سر نہ اٹھے
پشت پر یہ ہوں تو سجدے سے پیمبرؐ نہ اٹھے

ان کی تحریر کا ہر لفظ ہے قدرت کا نگیں — اسی سرمایۂ عظمت پہ اکڑتی ہے زمیں
ان کی تمثیل سرِ عرش جو موجود نہیں — تختیاں پڑھنے کو آجاتے ہیں جبریلؑ امیں
خطِ نوری کی یہاں اک نئی صورت دیکھو
کاتبو آؤ یہ بچپن کی کتابت دیکھو

ہے اسی باغ کا اک غنچۂ نورس اصغرؑ جس نے چھ ماہ میں طے کرلیا صدیوں کا سفر
یوں لگائی رخِ بے شیر نے اک ضربِ نظر آج بھی کانپتا ہے طالبِ بیعت کا جگر
صاف ہیں ضربتِ حیدرؑ کے سب آثار یہاں
تیغ خندق میں چلی تیغ کی جھنکار یہاں

یوں کھلا باغ امامت میں یہ ننھا سا گلاب جیسے پھر خانۂ عصمت میں اتر آئی کتاب
کتنی توقیر کا حامل ہے یہ فخرِ مہتاب باپ ہے ابنِ شہنشاہِ نجفؑ ماں ہے ربابؑ
غل تھا اک تازہ قرابت کا قرینہ دیکھو
اک جا حسنِ یمنؑ، حسنِ مدینہ دیکھو

یہ سن و سال یہ اندازۂ عالم نگری یہ ہر اک دور پہ محکم نگہِ باخبری
موت کے سائے میں بیدار حسِ ناموری باپ کی گود کے بستر پہ شعورِ بصری
حق نے چہرے کا ہر اک نقش جلی رکھا ہے
باپ نے سوچ کے کچھ نام علیؑ رکھا ہے

نام اصغرؑ ہے مگر جوش ہے اکبرؑ کی طرح غیظ آنکھوں میں ہے عباسِ دلاور کی طرح
کفر سے جنگ کا ارمان ہے حیدرؑ کی طرح نبرد کے سامنے آئے ہیں سمندر کی طرح
رنگِ کم اصل کو اعلیٰ نسبی کاٹے گی
آبداروں کا گلا تشنہ لبی کاٹے گی

اس کا چہرہ ہے کتابِ رخِ حیدرؑ کا ورق انجمِ عصر اسی طفل سے لیتے ہیں سبق
اس نے ٹھکرا کے امیہ کا ہر اک نظم و نسق دے دیا دستِ مسلماں میں اصولوں کا طبق
اس نے بتلایا کہ سرِ ظلم کا کٹ سکتا ہے
دستِ بے تیغ حکومت کو الٹ سکتا ہے

ایک بے شیر ادھر لشکرِ کفار ادھر گردنِ صبر ادھر ظلم کی تلوار اُدھر
حق کا سایا ہے ادھر کفر کی دیوار اُدھر ایک معصوم ادھر سارے گنہگار اُدھر
یہ جفا کاریاں عبرت ہے زمانے کے لئے
آندھیاں آئی ہیں اک شمع بجھانے کے لئے

آندھیوں سے کہیں بجھتی ہے خدائی تنویر آندھیوں سے کہیں رکتے ہیں چراغوں کے سفیر
آندھیاں کاٹ کے دکھلائیں بیانِ بے شیرؑ آندھیوں سے نہ مٹے گی کبھی پتھر کی لکیر
ظلم سے خرمنِ احساس نہیں جل سکتا
تیر جذبات کی گردن پہ نہیں چل سکتا

تیر کر سکتا نہیں جذبۂ صادق کو تباہ تیر سے قتل ہوئی ہے کہیں معصوم نگاہ
تیر اور روک سکے وارثِ تطہیر کی راہ توبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
جان لے کر بھی اجل کا نہ کوئی کام چلا
تیر سے زخم لگا زخم سے پیغام چلا

بس وہی جانتے ہیں اس گلِ حیدرؑ کا مزاج جن کی سیرت میں ڈھلا سورۂ کوثر کا مزاج
اس میں شبیرؑ کی عادات ہیں شبرؑ کا مزاج ایک چھ ماہ کے بچے میں ہے گھر بھر کا مزاج
اس میں گنجینۂ ادیان نظر آتا ہے
یہ تو اصغرؑ نہیں قرآن نظر آتا ہے

ثبت کونین پہ ہے ژرف نگاہی اس کی دامنِ حشر سے مربوط ہے شاہی اس کی
تجیعِ حق کی سپر دین پناہی اس کی ختم ہے جرمِ یزیدی پہ گواہی اس کی
کشتِ تہذیب میں ایماں کے گہر ڈالے ہیں
پر وبالِ اُموی اس نے کتر ڈالے ہیں

ایسے بچے صفِ انساں میں کہاں ہوتے ہیں نوجواں جن کے تبسم سے جواں ہوتے ہیں
جانبِ مرضیِ داور نگراں ہوتے ہیں جن کے ناگفتہ سخن جزوِ اذاں ہوتے ہیں
ایسی تاثیرِ کمالات کہاں ملتی ہے
جب یہ چپ ہوں تو زمانے کو زباں ملتی ہے

فاتحِ مقتلِ جاں مثلِ اب و جد اصغرؑ جادۂ جدتِ پیکار کی سرحد اصغرؑ
بحرِ سجدہ کریں وہ پیاس کا معبد اصغرؑ آیۂ واجبِ قرآنِ محمدؐ اصغرؑ
اپنا ننھا سا گلا کر کے قضا کے آگے
اس نے انساں کو جھکایا ہے خدا کے آگے

اتنی محبوب تمناؤں کا ہو جس کا پسر اس کی میت لئے ہاتھوں پہ پریشاں ہو پدر
شہؑ کبھی دیکھتے ہیں زخمِ گلوئے اصغرؑ کبھی اجڑے ہوئے خیموں کی اداسی پہ نظر
دل کا ٹوٹا ہوا ارمان کہاں لے جائیں
مسجدیں لٹ گئیں قرآن کہاں لے جائیں

دلِ مظلوم میں رہ رہ کے یہ آتا تھا خیال باپ مجبور ہو بیٹا کرے پانی کا سوال
خونِ بے شیر سے ہے چہرۂ مظلوم تو لال ماں جو دیکھے گی تو ہو جائے گی صدموں سے نڈھال
پرسہ دینے کے لئے مونس و یاور نہ رہے
کیسے مادر سے کہیں گے علی اصغرؑ نہ رہے

اپنا قرآں لئے شہؑ آئے جو خیمے کے قریں نظر آئیں در خیمہ پہ ربابؑ غمگیں
اپنی تصویر جو وہ گود میں لینے کو بڑھیں آستینوں پہ جمی خون کی بوندیں دیکھیں
بولیں مولاؑ یہ بھلا خونِ گلو کس کا ہے
آپ کے چہرۂ اقدس پہ لہو کس کا ہے

کیا مرے لال کی گردن پہ لگی ضرب شدید — کیا یہ بستی ہے جہاں ممتا ہوتی ہے شہید
شاید اولاد سے محروم ہے سب فوج یزید — ماؤں سے چھین کے بچوں کو ستاتی ہے جو عید

دو شلوکے دو گہر موجب برکت لے لیں
مجھ سے سرکار یہ صغرا کی امانت لے لیں

روئے اصغر سے شہِ دیں نے اٹھائی جو نقاب — عصر کے وقت دکھائی دیا ماں کو مہتاب
چاہتی تھیں کہ گلا چوم لیں بیٹے کا رباب — روک کر خستہ جگر کو یہ کیا شہ نے خطاب

اپنی آغوش میں لے لو نہ گزر جائے کہیں
دیکھو سکتے میں سکینہ ہے نہ مر جائے کہیں

کیسے دکھلاؤں جو دل کی مری صورت ہے رباب — ابنِ زہرا کو بڑی تم سے خجالت ہے رباب
مختصر وقت ہے اور طولِ مسافت ہے رباب — دل سنبھالو کہ ابھی اور مصیبت ہے رباب

ہم بھی آ پہنچے ہیں کنبے سے جدائی کے قریب
چھوٹے بھائی کو سلا دوں بڑے بھائی کے قریب

آئے پھر گنجِ شہیداں میں شہِ عرش سریر — تھیں دھوپ میں دیکھیں تو لگے قلب پہ تیر
بیچ میں قاسمؑ و اکبرؑ کے رکھی لاشِ صغیر — کہا اے خستہ تو ہو گیا تنہا شبیرؑ

دونوں بھائی انہیں بہلاؤ کہ دکھ پائے ہیں
یہ ابھی چھوڑ کے جھولے کی ہوا آئے ہیں

ان کے جھولے کے قریں گریہ کناں ہے مادر — ماں کی آغوش پہ ہے بالی سکینہ کی نظر
بچے روتے ہیں کھڑے دیکھ کے سونا بستر — ہنسلیاں ڈھونڈ رہی ہیں کہ کہاں ہیں اصغر

اپنے قرآن پہ جزدان چڑھا دیتا ہوں
لو یہ رومال سے چہرے کو چھپا دیتا ہوں

میں تو جاتا ہوں انہیں چھوڑ کے بے گور و کفن — خوف ہے رات کو آئے نہ کہیں ان کی بہن
گود میں ان کو اٹھائے گی جو وہ تشنہ دہن — انگلیوں سے کہیں چھل جائے نہ زخمِ گردن

کم سنی ہے اثرِ ظلم سے ڈر جائے گی
خون بھائی کا جو دیکھے گی تو مر جائے گی

کشمکش

مرثیہ مصائبِ حضرت زینب سلام اللہ علیہا

(۵۸ بند۔۱۹۹۵ء)

کشمکش

ہماری اصناف سخن میں ہی نہیں غالباً دنیا بھر کی اصناف سخن میں مرثیہ اس بنا پر منفرد ہے کہ یہ صرف ایک تاریخی المیہ کے بیان کے لئے وقف ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے المیہ سے متعلق کرداروں کے اعمال و کردار میں تبدیلی ممکن نہیں لہٰذا شہادت سے متعلق جزئیات کے ضمن میں ہی شاعرانہ کارکردگی دکھانے کے مواقع ملتے ہیں۔ جبھی تو گھوڑے اور تلوار کی تعریف اس اسلوب میں کی گئی کہ مرثیہ کے کل کا جزو ہونے کے باوجود انفرادی نظموں کی صورت میں بھی ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر مرثیہ کو نظام شمسی سے تشبیہ دیں تو حضرت امام حسینؑ کی ذات اس میں شمس کی مانند مرکزی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جبکہ بقیہ افراد اور مرثیہ کے فنی لوازم سیاروں کی صورت میں نظر آتے ہیں جو آزاد و خود مختار ہونے کے باوجود بھی مرکز کی کشش کے ساختہ دائرہ سے باہر نہیں جاسکتے۔

جدید مرثیہ میں جوش ملیح آبادی سے چلیں تو سید آل رضا، نجم آفندی، نسیم امروہوی جیسے اسما کی کہکشاں نظر آتی ہے اور سید وحید الحسن ہاشمی بھی اسی کہکشاں کے کوکب تابندہ ہیں۔ ''کشمکش'' کے عنوان سے سید وحید الحسن ہاشمی کا ۵۸ بندوں پر مشتمل مرثیہ اگرچہ ''ذکرِ مصائب حضرت زینبؑ'' کے لئے وقف ہے مگر ہاشمی صاحب نے حضرت زینبؑ کی شخصیت کا وسیع تناظر میں مطالعہ کرتے ہوئے مرثیہ کو رونے رُلانے کی سطح سے بلند کرتے ہوئے علم و عرفان پر ایک موثر نظم میں تبدیل کر دیا۔ مرثیہ کا مطالعہ اسلوب کے مطالعہ کے مترادف ہے۔ مرثیہ نگار تاریخی واقعات، حالات و کوائف اور افراد میں تبدیلی کا مجاز نہیں لہٰذا اسے صرف اسلوب کے حسن ادا سے ہی حسن تاثیر حاصل کرنی ہے۔ اس معاملہ میں سید وحید الحسن ہاشمی کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ ہاشمی صاحب نے اس مرثیہ ''کشمکش'' میں مختلف تشبیہات، استعارات اور علامات کے ذریعہ امام عالی مقامؑ اور حضرت زینبؑ کی سیرت کے جو نقوش اُجاگر کیے ہیں وہ اُردو مرثیے کی تاریخ میں ایک نیا باب ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر

کشمکش

کشمکش ذہن کی الجھی ہوئی قوت کا ہے نام		دو مفادات کے ٹکراؤ کی حالت کا ہے نام
جسم انساں میں پراگندہ طبیعت کا ہے نام		کشمکش خود سے بگاڑی ہوئی قسمت کا ہے نام
برقِ حس جب نہ تڑپتی ہے نہ دم لیتی ہے
کشمکش ایسی ہی صورت میں جنم لیتی ہے

خواہشوں کا دل انساں میں خزانہ ہے بھرا		ایک کا دوسری خواہش سے جدا ہے جلوا
طالبِ زر ہے کوئی کوئی ابوذرؓ پہ فدا		کوئی پابند جفا کوئی پرستارِ وفا
جب معیّن نہیں اک راستہ منزل کے لئے
یہ دو رنگی ہے غذا کشمکشِ دل کے لئے

یوں بھی ہوتا ہے کہ ارمانِ دلی سب ہیں لطیف		ان کا رجحان مساعد ہے تو میلان شریف
نہ تصور ہے نجس اور نہ خیالات کثیف		مگر اظہار ہو کیسے کہ ہے ماحول حریف
سختیِ دہر کسی کو جو سزا دیتی ہے
کشمکش ذہن کو مفلوج بنا دیتی ہے

کبھی خطرات سے ہوتا ہے جب انسان دوچار		گھیر لیتا ہے اسے چار طرف سے ادبار
توڑنے کے لئے بڑھتا ہے وہ وحشت کا حصار		غم و اندوہ سے ملتی نہیں جب راہِ فرار
پھر مصیبت نہ مسرت کو وہ پہچانتا ہے
حد تو یہ ہے کہ مرض ہی کو دوا جانتا ہے

ذہن میں فیصلہ کرنے کی جو قوت نہ رہے　　　بس یہی فکر ہو کیا بات کہے کیا نہ کہے
موج دریا اسے جس سمت بہائے وہ بہے　　　غم کے منجدھار میں لہروں کے تھپیڑوں کو سہے
دور جو کر نہ سکے ذات کی ناداری کو
کشمکش کہتے ہیں اس ذہن کی بیماری کو

کشمکش کرتی ہے جب ذہن کی بستی میں ورود　　　عمل خیر کی ہو جاتی ہیں راہیں مسدود
پردۂ جہل میں چھپ جاتی ہے دانش کی نمود　　　ڈھونڈتی پھرتی ہے خود اپنی نظر اپنا وجود
رات ہوتی ہے بسر اور نہ دن کٹتا ہے
قلق قوت ادراک سے دل پھٹتا ہے

جب ہو اعصاب کی تنظیم میں کھینچا تانی　　　ٹوٹ جاتا ہے حصار شرف انسانی
غم سے ہوتا ہے لہو چشم خرد کا پانی　　　نظر آتا ہے بشر کالبد ہیجانی
خار میں پھول تو پھولوں میں وفا ڈھونڈتا ہے
وہ ہتھیلی کی لکیروں میں صدا ڈھونڈتا ہے

ذہن ناقص ہے تو معدوم ہے امکان کمال　　　متصادم ہیں جب اعصاب تو گھائل ہے خیال
داغ حسرت لئے پھرتی ہے تنگ ظرفی حال　　　پُر بداندیشی کے چھالوں سے ہے رخسار جمال
کتنا مذموم ہے یہ اس کا قضا پر الزام
زہر خود کھاتا ہے رکھتا ہے خدا پر الزام

اک طرف قلب ہے اولاد کی الفت میں مگن　　　دوسری سمت وہیں ولولۂ حفظ وطن
اک طرف دل میں مچلتی ہے شہادت کی لگن　　　دوسری سمت ہے قربانئ جاں سے الجھن
اس طرح سے جو بشر زیست کا آغاز کرے
کشمکش اپنے مقدر پہ نہ کیوں ناز کرے

شہرت عام ہے دنیا کے پسند خاطر بے ہنر چاہتا ہے لوگ پکاریں ماہر
ضد ہے مجبور کی القاب ہو اس کا قادر نجس العین کی خواہش ہے کہیں حسب طاہر
عطر دنیا کی مہک جس میں ہو وہ بخت تو ہو
علم کا کیا ہے نہ ہو زیر قدم تخت تو ہو

اتنا دنیا میں بڑھے سلسلۂ نام و نمود بے ادب جو بھی کرے بات وہ موزوں ہو مسعود
اپنی شہرت کے لئے توڑ کے مجلس کی قیود زر کی میزان میں تولے وہ ادیبوں کا وجود
کچھ بھی ہو نام بہرحال زمانے میں چلے
ایک رو اپنی بھی دنیا کے فسانے میں چلے

اسی خودسر کو جو مل جائے کہیں تخت شہی چاہتا ہے کہ چلے اس کا ہی حکم نسبی
جب نکلتی نہیں توقیر کی صورت کوئی جی میں آتا ہے کہ بس چھین لے ہر لب سے ہنسی
عظمت خلق خدا کو تہ و بالا کر دے
سارے انساب سے اپنا نسب اعلیٰ کر دے

گر آتے ہیں مقابل میں جو ارباب ہمم ٹوٹ جاتا ہے سجائی ہوئی شہرت کا بھرم
کام آتا ہے نہ اقبال نہ خود ساز حشم آنکھ جھک جاتی ہے اٹھتے نہیں خفت سے قدم
نامرادی جو تکبر کی جگہ لیتی ہے
کشمکش جاگتے انساں کو جلا دیتی ہے

حاکم شام بھی تھا ایسی ہی صورت سے دوچار قلب میں زخم شہی ذہن میں نخوت کا خمار
اپنے اجداد کی سنت کا لئے دوش پہ بار اپنی ہستی کو سمجھتا تھا خدا کا اوتار
عربی اور رسومات عرب چھوڑے ہوئے
جسم اسلام پہ روح تو بجا ہے نظر موڑے ہوئے

کبھی کرتا تھا امیہ کی سیاست پہ نظر — کبھی رک جاتی تھی ہاشم کی جلالت پہ نظر
ٹھہرتی تھی کبھی سفیان کی حالت پہ نظر — کبھی جم جاتی تھی عمرانؑ کی طاقت پہ نظر
جو خطا کار تھے ترجیح انہیں دیتا تھا
اُموی طرزِ حکومت کے مزے لیتا تھا

نشۂ دولتِ اقبال میں ڈوبا ہوا دل — خوابِ توہینِ درِ علم میں کھویا ہوا دل
طاقتِ کفر کے احساس سے بہکا ہوا دل — برشِ تیغِ یداللہ سے سہما ہوا دل
جی میں تھا شام کی بستی میں مدینہ آ جائے
خوف یہ تھا نہ کہیں ثانیؑ زہرا آ جائے

قلب ذرہ میں ہوئی لعلِ بدخشاں کی ہوس — چشمِ بے آب نے کی چشمۂ حیواں کی ہوس
رجس اور آئینۂ پاکیٔ داماں کی ہوس — حد ہے چیونٹی کو ہوئی تختِ سلیمانؑ کی ہوس
فکر تھی اپنا نشاں دہر کے سینے پہ رہے
برتری شام کی تاحشر مدینے پہ رہے

قلب پر نقش تھا حمزہؓ کی شہادت کا اثر — یہ بھی معلوم تھا دادی نے چبایا تھا جگر
دستِ جد سے، نہ گئی برشِ خونِ جعفرؓ — شعبِ تنہائی میں رکھا گیا عمرانؑ کا گھر
دو گھڑی چین سے رہنے کو زمانہ نہ ملا
آلِ عمرانؑ کو مکے میں ٹھکانہ نہ ملا

دل کو رہ رہ کے مسلتی تھیں علیؑ کی باتیں — کرگئیں زیر نہ ان کو اب وجد کی گھاتیں
مٹ گئیں ان کے مٹانے میں ہزاروں ذاتیں — اس تصور نے مری چھین لیں ہنستی راتیں
نہ چلوں دینِ اب وجد پہ تو رسوائی ہے
منہ پھرالوں تو مری فکر کی پسپائی ہے

فرد واحد کا ہے اک تکمیلِ نبوت کیا ہے　　خود تراشا ہوا منصب ہے امامت کیا ہے
اپنی باتوں کی اشاعت ہے اطاعت کیا ہے　　اپنا قائم ہو بھرم اجرِ رسالت کیا ہے
نہ کوئی وحی نہ گردوں سے ملک آئے ہیں
اک مصوّر کے خیالات کے یہ سائے ہیں

اس کی اس کشمکشِ فکر کا دیکھیں انداز　　ایک دن قبل ہی جمعہ کی پڑھا دی تھی نماز
پہلے مے نوشی کا پیدا کیا قرآں سے جواز　　پھر کیا فجر کی دو رکعتِ واجب کو دراز
اپنے ہر خواب کی رکھتا تھا وہ تعبیر قریں
بوزنہ دوش پہ، سگ گود میں، خنزیر قریں

اک طرف خواہشِ سرداری اصحابِ کبارؓ　　دوسری سمت رواں مشغلۂ سیر و شکار
اک طرف شوق کہ ہو روکشِ آلِ اطہارؑ　　دوسری سمت خباثت پہ مسلسل اصرار
اپنی حیواں صفتی سے ہوا ناکام یزید
اب اسی کشمکشِ ذہن کا ہے نام یزید

بس یہی فکر تھی مضبوط ہو اپنا یہ نظام　　ترک دیں ہو تو ریاست کو ملے استحکام
اُموی طرزِ حکومت ہو بنامِ اسلام　　صبحِ ایمانِ حسینؑ آ کے کرے بیعتِ شام
ملک میں امن ہو اسلاف کا بھی نام چلے
کر لیں شبیرؑ جو بیعت تو مرا کام چلے

شام والوں کو تو پہلے ہی کیا میں نے معاف　　اہلِ کوفہ کے معاون رہے میرے اسلاف
اب عرب اور عجم سے نہیں خوفِ اتلاف　　بنی ہاشم ہیں فقط میری حکومت کے خلاف
زیر کرنے میں انہیں حد سے نکل جاؤں گا
میں بھی اب سنتِ اجداد کو دہراؤں گا

اس دھن میں کیا شبیرؑ سے بیعت کا سوال — کفر کا حق سے یہ تھا اپنی اطاعت کا سوال
پھر اسی سے تھا جنگ کی طاقت کا سوال — ایک بے دین کا تھا دین سے غیرت کا سوال
حاکمِ شام امامت کے مٹانے کو بڑھا
ابرہا کعبۂ اسلام کے ڈھانے کو بڑھا

صرصرِ ظلم چلی باغِ امامت کی طرف — رخ کیا آتشِ تزویر نے جنت کی طرف
دشمن کے پاؤں بڑھے کوچۂ عصمت کی طرف — نظرِ شرک اٹھی جلوۂ وحدت کی طرف
خواہش خاک ہوئی لعلِ بدخشاں نہ رہیں
متنِ قرآں تو رہے بولتے قرآں نہ رہیں

ذہنِ شبیرؑ کو بخشا تھا خدا نے وہ اثر — بھانپ لیتا تھا جو گرویدۂ دنیا کی نظر
اس کو معلوم تھا کتنا ہے حکومت کا جگر — کتنے پانی میں ہے خود ساختہ اجلال کا شر
سب ہی واقف تھے کہ اس شر کی سزا کیا ہوگی
ذہنِ حاکم میں مرض کیا ہے دوا کیا ہوگی

اس سرکوبیِ شر کے لئے شبیرؑ اٹھے — سورۂ فتح کی کرتے ہوئے تفسیر اٹھے
اپنی پلکوں پہ لئے دین کی تقدیر اٹھے — ظلم کے پاؤں میں پہنانے کو زنجیر اٹھے
دل میں سوچا کہ بس اب تخمِ شہادت بو دیں
دامنِ قوم سے خونِ معصیت دھو دیں

کیسے ممکن ہے کہ میں دین کو مٹتا دیکھوں — خاک میں ملتی ہوئی حرمتِ کعبہ دیکھوں
دوشِ احمدؐ سے جو اترا تھا وہ خوں میں تر دیکھوں — زندہ رہتے پھریں قاتل میں تماشا دیکھوں
ناموس دہر رہا ہے تو ہے جب سورۂ ... جائیے؟
قیس یا ذلت اور عزت کی ... جائیے؟

میں ہوں کونین میں اللہ کی قدرت کا امیں — قلب ہر ذرہ سے واقف ہے مرا علم یقیں
شمع نصرت جو جلائے ہے یزید بد بیں — گل نہ کر دوں تو حسین ابن علی نام نہیں
وہ سمجھتا ہے کہ شبیر کا پیاسا ہوں میں
اس کو معلوم نہیں کس کا نواسا ہوں میں

اب پرستار ابوجہل سے ہے علم کی جنگ — حسرت کفر سے ٹکرائے گی اب حق کی امنگ
پھر سے دیکھے گا جہاں حیدری پیکار کا ڈھنگ — رنگ لائے گا ابد تک مرے انکار کا رنگ
جیسے کھلتے گئے قرآں ہمیں بے معنی
لوگ سمجھیں گے یونہی میری نہیں بے معنی

ایک بدعہد کی یہ خود سری و لاف زنی — حق کا داعی بھی ہو اور حق کی کرے بیخ کنی
مدعی شرع کا اور شرع پہ ناوک فگنی — نص قرآں سے تو وہ شخص ہے گردن زدنی
یوں چکھاؤں گا مزہ اس کی رعونت کا اسے
خواب بھی دیکھنے دوں گا نہ حکومت کا اسے

کس طرح خار کو میں جان گلستاں سمجھوں — ذرۂ خاک کو کیسے مہ تاباں سمجھوں
چہرۂ شرک کو کیونکر رخ ایماں سمجھوں — غیر ممکن ہے منافق کو مسلماں سمجھوں
عمل کفر کو ایمان نہیں کہہ سکتا
میں درندے کو تو انسان نہیں کہہ سکتا

میری رگ رگ میں رسالت کے لہو کا ہے بہاؤ — قلب میں فاتح خیبر کی شجاعت کا رچاؤ
میرے سینے میں نہیں کشمکش دل کا تناؤ — میرے ناخن سے بھی ہلکا ہے حکومت کا دباؤ
میں جو چاہوں تو ادھر مہر کا پھیرا ہی نہ ہو
حشر تک شام کی قسمت میں سویرا ہی نہ ہو

دینِ حق کی یہ تباہی مرے سینے پہ ہے شاق — اہلِ باطل نے بنایا ہے خلافت کو مذاق
ڈال کر مغلطۂ قلبِ مسلماں میں نفاق — تخت کو سمجھے ہیں اپنا ازلی استحقاق
ناز اس پر ہے کہ مضمونِ ادق کھولتے ہیں
بند آنکھیں کئے قرآں کے ورق کھولتے ہیں

میں سمجھتا ہوں حکومت کے یہ سب مکر و دغل — اصل میں ذہنِ یزیدی میں مچی ہے ہلچل
یہ جو احکامِ شریعت میں ہوا ردّ و بدل — صاف ظاہر ہے کہ حاکم کی ہے نیت میں خلل
وحیِ خالق کو فسانوں میں نہ ڈھلنے دوں گا
نہ کوئی زیر زبر پیش بدلنے دوں گا

وارثِ وحیِ خدا ہوں میں نبیؐ کا فرزند — آنے دوں گا نہ میں قرآن کے حرفوں پہ گزند
اہلِ دنیا مری آواز کو کر دیں گے جو بند — خون سے ہو گا مرے نعرۂ تکبیر بلند
اک نئے شوق کا سامان مہیا ہو گا
سر جہاں میرا کٹے گا وہیں کعبہ ہو گا

طفلِ مکتب ہے مرے سامنے سب فوجِ غنیم — میرے اک حکم سے ہو سرد ابھی نارِ جحیم
اس لئے چپ ہوں کہ مقصد مرے آگے ہے عظیم — دین بچ جائے جو ہوتے ہیں تو بچے ہوں یتیم
ظلم پر بنتِ شہِ قلعہ شکن بولے گی
میں جو روکوں گا زباں میری بہن بولے گی

مڑ کے پھر زینبؑ و عباسؑ سے شہ نے کہا — تم بھی رکھتے ہو وہی خونِ رگِ شیرِ خدا
اب بھی ہے سایہ فگن تم پہ دعائے زہراؑ — تم جو کہہ دو تو اکھڑ جائے حکومت کی ہوا
علوی دبدبہ و حسنِ بیاں تم میں ہے
لو میں کہتا ہوں کہ جرأت کی زباں تم میں ہے

کیا جسارت ہے کہ بیعت کا تقاضا مجھ سے ۔۔۔ حاکم شام کرے دین کا سودا مجھ سے
لحم اسلام کا مانگے سگِ دنیا مجھ سے ۔۔۔ نار کو نور میں کہہ دوں یہ تمنا مجھ سے

فیصلہ میں نے کیا ہے کہ نہ خم یہ سر ہو
گھر اجڑ جائے کہ پہلو سے جدا اکبرؑ ہو

نام اکبرؑ پہ تڑپ کر یہ کہا زینبؑ نے ۔۔۔ کس کی ہمت ہے کہ چھینے علی اکبرؑ مجھ سے
جو لہو آپ میں گرداں ہے وہی زینبؑ کے ۔۔۔ ہو جواب ایسا کہ اولادِ امیہ کانپے

آپ سے آنکھ ملائے کوئی، دم کس کا ہے
میرے عباسؑ کے ہوتے ہوئے غم کس کا ہے

سر کو نیہوڑا کے یہ ماہِ بنی ہاشمؑ نے کہا ۔۔۔ شام کے نحس ستاروں کو سمجھتا ہوں میں کیا
آپ ارشاد تو فرمائیں شہِ ارض و سما ۔۔۔ دفن کر دوں میں ابھی سطوتِ شام و کوفہ

روک دوں کفر کے بہتے ہوئے دھاروں کو ابھی
توڑ کر پھینک دوں منحوس ستاروں کو ابھی

کہاں یہ شام کے روباہ کہاں شیرِ الٰہ ۔۔۔ کہاں یہ فرش کے ذرات کہاں عرش پناہ
جو یہ سمجھے ہیں پیمبرؐ کا گھرانا ہو تباہ ۔۔۔ رن پڑا پھر تو پلٹنے کی بھی پائیں گے نہ راہ

یوں چلے گی خلفِ نفسِ نبیؐ کی تلوار
جیسے صفین میں چلتی تھی علیؑ کی تلوار

حق پرستوں کو زمانے کا کوئی خوف نہ ڈر ۔۔۔ ان کی ہیبت سے لرزتے ہیں پہاڑوں کے جگر
ان کی فطرت میں نہیں کشمکشِ فکر و نظر ۔۔۔ وہ ارادہ کریں انگلی پہ ہو بابِ خیبر

کس میں دم خم ہے جو توہین امامت کی کرے
وہ زباں کاٹ دوں جو بات بھی بیعت کی کرے

یہ نہ سمجھے کوئی تنہا ہے نبیؐ کا فرزند   اس کے احکام کے ہیں سارے تہور پابند
اس کو بخشی ہے خداوند نے وہ فکرِ بلند   ٹوٹ جائے اک اشارے سے مصائب کی کمند
جس کو ضد ہے شہِ کونینؑ کے تیور دیکھے
پہلے عباسؑ سے آنکھیں تو ملا کر دیکھے

خود کو فرعون سمجھتا ہے اگر حاکمِ شام ،   نہرِ موسیٰؑ اسے لائے گا قریبِ انجام
مٹنے ہی والا ہے فرعونوں سے امیہ کا نظام   مشتعل جبرِ حکومت سے ہیں دنیا کے عوام
چین ممکن نہیں اربابِ رعونت کے لئے
تخت اور تاج ہیں دو دن کی حکومت کے لئے

بولے یہ عباسؑ سے جذبات جو دیکھے برہم   مسکرا کر کہا اے دشتِ وفا کے ضیغم
تم سا بھائی جو ہو موجود تو کس بات کا غم   مگر اے ثانیِ حیدرؑ تمہیں زینبؑ کی قسم
وقت کی تیغ پہ دل، شاد کہ ناشاد رہے
تم کو پالا ہے بہن نے یہ بہن یاد رہے

کربلا میں وہی شمشیر تھی اور غم کی فضا   شام کی سمت چلا لٹ کے نبیؐ کا کنبہ
خاکِ مقتل پہ جو عباسؑ کا لاشا دیکھا   بنتِ زہراؑ نے یہ ماہِ بنی ہاشم سے کہا
بے محل ہوں گی یہاں اور کسی کی باتیں
تم کو کیا یاد نہیں سبطِ نبیؐ کی باتیں

نہ تو بیٹے ہیں جہاں میں نہ کوئی بھائی ہے   مجمعِ عام میں شبیرؑ کی ماں جائی ہے
سر برہنہ ہیں حرم عالمِ تنہائی ہے   آج اس شان سے ملنے کو بہن آئی ہے
کیسے بتلاؤں کہ مجبور بہن ہے کہ نہیں
لو یہ دیکھو مرے بازو میں رسن ہے کہ نہیں

تم کو رہتا تھا ہمیشہ مرے پردے کا خیال   بے ردا ہو کوئی بی بی تمہیں آتا تھا جلال
دل تھا مجبور وفا آنکھ میں غیرت تھی کمال   کیا ہوا پوچھتے اب کیوں نہیں ہمشیر کا حال
نہ سنا ہو تو سنو غل ہے ستم گاروں میں
بنت حیدرؑ کو پھرائیں گے یہ بازاروں میں

وہ کھڑی دور سے تکتی ہے تمہیں بنت حسینؑ   کل سے اب تک ہے جدائی میں تمہاری بے چین
ڈر ہے اعدا کا تو کرتی نہیں دل کھول کے بین   بس یہ کہتی ہے مدد کیجئے یا شاہ حسینؑ
کچھ اشارے سے کہو دل مرا گھبراتا ہے
کیوں تڑپ جاتے ہو بچی کا جو نام آتا ہے

تم تو کہتے تھے ذرا دل میں نہ لائیں وسواس   آل طہٰ کی حفاظت کا ہے ضامن عباسؑ
مگر اس وقت تو کوئی نہیں سادات کے پاس   بیبیاں بے سر و ساماں ہیں تو بچے ہیں اداس
انبساط و غم ہستی ہیں رگ جاں کے قریب
تم ہو فردوس میں ہم ہیں در زنداں کے قریب

تم تو سوتے ہو میں بچوں کو سنبھالوں تو چلوں   آگ ان پیاس کے ماروں کی بجھالوں تو چلیں
کل سے روٹھی ہے سکینہؑ کو منالوں تو چلوں   اپنے بالوں سے میں چہرے کو چھپالوں تو چلوں
بس یہ سمجھیں کہ الم دیدہ و دلگیر ہے یہ
کہہ سکیں لوگ نہ عباسؑ کی ہمشیر ہے یہ

لاش عباسؑ سے کہنے کو تو آیا نہ جواب   مگر احساس کے عالم میں کھلا باب خطاب
بول اٹھا خون میں تر فاتح خیبر کا شباب   روح عباسؑ ہے اس درد سخن سے بیتاب
ایک موقع پہ بھی اظہار شجاعت دیتے
کاش مولاؑ مجھے لڑنے کی اجازت دیتے

میری مجبوریوں کو آپ سمجھتی ہیں حضور   حکمِ سلطانِ دو عالم سے ہوا ہوں مجبور
ورنہ کیا فوج تو کیا شام کے لشکر کا غرور   بند کر دیتی مری تیغ یزیدی ناسور
دیکھتی چشمِ جہاں اور ہی نقشا ہوتا
خون کا شام کے دربار میں دریا ہوتا

سر نہ کٹتا مرے مولاؑ کا نہ جلتے یہ خیام   پا برہنہ کبھی چلتا نہ زمانے کا امامؑ
آپ کو علم ہے اے بنتِ شہنشاہِ امام   سر کھلا آپ کا جب بند ہوئی چشمِ غلام
آج ناموسِ نبیؐ قید ہیں قسمت میری
چھپ گئی پردۂ طاعت میں ضمانت میری

متردد نہ ہوں اے بنتِ شہِ عقدہ کشاؑ   آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا مرا عزمِ وفا
درِ کوفہ ہو کہ دربارِ یزیدی کی فضا   جس جگہ یاد کریں گی وہیں خادم ہو گا
نورِ عصمت کے قریں نور کی کرنیں ہوں گی
آپؑ کے پاؤں کے نیچے مری نظریں ہوں گی

دیدۂ وقت نے یہ منظرِ غم بھی دیکھا   شام کی راہ تھی اور قافلۂ آلِ عباؑ
لبِ تاریخ بتاتے ہیں بعنوانِ وفا   سرِ عباسؑ کئی مرتبہ نیزے سے گرا
صرف اس واسطے نیزے پہ نہ ٹھہرے عباسؑ
سر کھلے ثانیِ زہراؑ کو نہ دیکھے عباسؑ



میں جب ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کو دیکھتا ہوں تو مجھے "پتا پر پوت" والی ضرب المثل یاد آتی ہے نیک باپ کا نیک اطوار فرزند۔ باپ نے مرثیہ نگاری میں نام پیدا کیا اور وحید العصر کا خطاب پایا جبکہ بیٹے نے مرثیے کی تحقیق و تنقید سے امتیاز پایا۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تازہ تالیف "مختصر مرثیہ کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی" اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ اس میں سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت کے مطالعہ کے ساتھ بطور مرثیہ نگار ان کے فن کا تجزیاتی مطالعہ بھی کیا گیا ہے مگر اس انداز اور اسلوب میں کہ مرثیہ کے فن سے وابستہ تحقیقی امور اور فنی جزئیات کا بھی احاطہ ہو گیا ہے۔ مرثیہ سے شدید دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے اس کتاب کا مطالعہ باعث افادہ ہوگا۔

عید کا چوتھا دن
۲۰۰۳ء

ڈاکٹر سلیم اختر

